جدّوجہدِ آزادی اور فتاویٰ

انیسویں صدی کے فتاویٰ کا ایک تجزیاتی مطالعہ

محمد ارشد ❁

ABSTRACT

The article attempts of analyze the *fatwā* literature produced as a result of British Colonial interaction with the Indian subcontinent. It focuses on the two eras. First 1803 to 1857, when the British rule had become growing reality as it extended from Delhi to Calcutta. The *fatwās* issued in that scenario regarded the land in question as an abode of war (*Dār al-Ḥarb*) and demanded Muslims to defend it by preventing the expansion of the British rule, naturally jihad in those *fatwās* was declared obligatory. Second post 1857 scenario, when the British established its unchallenged rule in the Indian subcontinent. *Fatwās* appeared in that new reality radically challenged the earlier position and insisted on adopting a compromising stance. Thus subcontinent, in these *fatwās* was declared as the abode of peace (Dār al-*'Amn*), declaring jihad was regarded as a prohibited act; moreover establishing faithful relations with the new masters was emphasized. Both of these approaches have left a great impact on Indian society as well as, on the deliberations written later. The paper attempts to provide a bird eye view on these.

۱۸۰۳ء میں جنرل لارڈ لیک (Lord Lake) کی قیادت میں انگریزی فوج کے دہلی میں فاتحانہ داخلے کے ساتھ ہی کلکتہ سے دہلی تک ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اس حادثے کے بعد انیسویں صدی کے دوران

❁ مدیر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی علامہ اقبال کیمپس)، لاہور

میں برِّعظیم پاک و ہند کی شرعی و قانونی حیثیت اور اس ملک کے مسلمانوں کے غیر مسلم غاصب ومتسلّط حکم رانوں سے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں کثیر تعداد میں فتاویٰ منظر عام پر آئے۔

۱۸۰۳ء میں مغلیہ دارالسّلطنت دہلی پر انگریزوں کے تسلط سے لے کر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے اختتام تک جو فتاویٰ منظر عام پر آئے ان میں بالعموم برِّعظیم پاک و ہند کو دارالحرب قرار دے کر غیر ملکی و غیر مسلم اقتدار کے خاتمے کے لیے مسلمانوں پر جہاد کو شرعاً فرض قرار دیا گیا۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی اور ان کے خلفا مولانا عبدالحی بڑہانوی اور شاہ اسماعیل شہید کے علاوہ مظفر نگر اور دہلی کے علما کے فتاویٰ بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی اور انگریزی اقتدار کے از سرِ نو قیام و استحکام کے بعد فتاویٰ کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ اس دور کے فتاویٰ میں سے مولانا کرامت علی جون پوری، علماے فرنگی محل۔لکھنؤ، سید نذیر حسین محدّث دہلوی اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے فتاویٰ بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان فتاویٰ میں ملک کو دارالحرب کے بجائے دارالاسلام اور دارالامان جب کہ مسلمانوں / مسلمان رعایا کو معاہد قرار دیا گیا۔ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد و مزاحمت کو ناجائز و حرام، جب کہ اس کی خیر خواہی و وفاداری اور اطاعت کو از روئے شریعت مسلمانوں پر فرض ثابت کیا گیا۔

انیسویں صدی کے دوران میں منظر عام پر آنے والے ان دونوں انواع کے فتاویٰ نے انگریزی حکومت کے ساتھ مسلمانانِ برِّعظیم پاک و ہند کے تعلقات کو گہرے طور سے متأثر کیا۔ اوّل الذّکر فتاویٰ نے مسلمانوں کو غیر ملکی اقتدار کے خاتمے کے لیے جہاد کی راہ دکھائی، جب کہ مؤخر الذّکر فتاویٰ نے مسلمانوں میں انگریزی حکومت کی خیر خواہی و وفاداری اور اطاعت کے جذبات و احساسات کی افزائش میں اہم کردار ادا کیا۔

اس مقالے میں برِّعظیم پاک و ہند میں برطانوی حکومتِ ہند کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات و روابط کے بارے میں انیسویں صدی عیسوی میں منظر عام پر آنے والے اہم فتاویٰ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ مقالے میں ان فتاویٰ کے سیاسی اور تہذیبی و سماجی پس منظر کی وضاحت بھی کی گئی ہے جب کہ چند اہم فتاویٰ کا متن بھی درج کر دیا گیا ہے۔

مقالے کو ہم نے دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے، حصۂ اول ۱۸۵۷ سے پہلے اور حصۂ دوم اس کے بعد کی صورت حال سے متعلق ہے۔

حصۂ اوّل

برّ عظیم پاک و ہند کی مغلیہ سلطنت کے جلیل القدر فرماں روا اورنگ زیب عالم گیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد اس سلطنت کا زوال بڑی تیزی سے شروع ہوا، اس کے تختِ سلطنت پر یکے بعد دیگرے کمزور و نااہل حکم ران براجمان ہوتے رہے۔ اورنگ زیب کے بعد صرف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) میں گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے جو اپنی تعیش پسندی، کاہلی، نااہلی، اندرونی اختلاف وکشمکش، خود غرض و جاہ پسند ارکانِ سلطنت اور امراو وزرا پر کلی اعتماد کے سبب امورِ سلطنت کو ٹھیک طور پر انجام دینے میں ناکام رہے۔ چنانچہ سلطنتِ مغلیہ کم زور سے کم زور تر ہوتی چلی گئی اور اس کا شیرازہ بکھرتا گیا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد صرف پچاس سال کے عرصے میں برطانوی تاجروں کی ایک شراکت -ایسٹ انڈیا کمپنی- نے سلطنت کے ایک بڑے صوبے، بنگال کے حکم ران نواب سراج الدّولہ کو شکست (جنگِ پلاسی، ۱۷۵۷ء) دے کر اس کی حکومت اور وسائل پر قبضہ کر لیا۔ چند سال بعد (۱۷۶۵ء) ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغلیہ سلطنت سے بنگال، بہار اور اُڑیسہ کی دیوانی (مال گزاری جمع کرنے اور اس کا انتظام و انصرام) کو شاہ عالم سے چھین لیا۔ مئی ۱۷۹۹ء میں اس نے ٹیپو سلطان کو شہید کر کے ریاست میسور پر تسلط قائم کر لیا، جب کہ ۱۸۰۱ء میں اَودھ کے حکمران نواب سعادت علی خان سے اودھ اور روہیل کھنڈ کا علاقہ ہتھیا لیا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزی فوج دہلی میں فاتحانہ داخل ہو گئی اس کے ساتھ ہی کلکتہ سے دہلی تک انگریزوں کا تسلط و اقتدار قائم ہو گیا۔ کمپنی نے مغل بادشاہ شاہ عالم (م:۱۸۰۶ء) کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور مغل بادشاہ برطانوی کمپنی کا وظیفہ خوار ہو گیا۔ ۱۸۰۵ء میں کمپنی نے بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کی۔[1] شاہ عالم کو آئینی طور پر بادشاہ تسلیم کیے جانے کے باوجود اب ملک کا حقیقی اقتدار عملاً ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس تھا۔ دہلی پر قبضے (۱۸۰۳ء) کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے بادشاہ کو معزول کرنے اور اس سے شاہی تخت و تاج چھیننے کے بجائے حکومت و اقتدار کے تمام اختیارات اس سے سلب کر لیے تھے، یعنی بادشاہ کو تخت و تاج کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے عملاً حکومت و سلطنت کے تمام اختیارات ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ہاتھ میں لے لیے[2] اور

۱- مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی، **تاریخ ہندوستان-سلطنتِ اسلامیہ کا بیان**، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ج ۹، ص ۳۴۳-۳۴۴ ؛ بشیر الدین احمد، **واقعاتِ دارالحکومت دہلی**، نئی دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء، ج ا، ص ۶۸۸-۶۸۷

2- Ishtiaq Husain Qureshi, *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent* 610-1947 (Karachi: University of Karachi, 1999), 218-219 ; S. Moinul Haq, *"Ahmad Shah, 'Alamgir II and Shah' Alam"*, *A History of the Freedom Movement* (Karachi: Pakistan Historical Society, 1957), vol-1, 136-137

اس کی تعبیر یہ کی گئی کہ: ”خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم (حکومت و اقتدار) کمپنی بہادر کا“۔[۳] چنانچہ کاروبارِ حکومت و سلطنت پر اب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط قائم ہو گیا، تاہم اب بھی اقتدارِ اعلیٰ پر آئینی حق صرف بادشاہ ہی کو حاصل تھا۔ اندرونِ شہر نیز اراضیِ مقبوضۂ شاہی میں قصاص کا فتویٰ بلا منظوری بادشاہ کے نافذ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب بادشاہ کا بس یہ اختیار رہ گیا تھا بہ شرطے کہ اسے اختیار کہہ بھی سکیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے شروع میں تو مروجہ قانونی و عدالتی نظام میں مداخلت نہ کی، چنانچہ ۱۷۹۰ء تک بنگال میں یہ دستور اورنگ زیب کے عہد کا ضابطۂ فوج داری رائج رہا۔ تاہم اس نے اٹھارویں صدی کے آخری اور انیسویں صدی کے پہلے عشرے میں قدیم قانونی و عدالتی نظام میں صریحاً مداخلت کی۔ اس نے وسیع پیمانے پر قانون سازی کی اور قانونِ شہادت اور شرعی حدود و تعزیرات کی جگہ نئے وضع کردہ قوانین نافذ کیے۔[۴] البتہ اس نے مسلمانوں کے نکاح، طلاق، وراثت جیسے شخصی و عائلی معاملات مسلمان قاضیوں کے سپرد ہی رہنے دیے اور نماز، روزہ، حج وغیرہ مذہبی اعمال کی بجا آوری میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی، یعنی ان مذہبی اعمال کی ادائگی میں مسلمانوں کو یہ دستور آزادی حاصل رہی۔

دارُالحرب یا دارُالاِسلام

دریں حالات (۱۸۰۳ء میں دارالسّلطنت اور دیگر علاقوں پر انگریزوں کے قبضے کے بعد جب کہ مغل بادشاہ کی برائے نام بادشاہت بھی موجود تھی) مسلمان سیاسی مفکرین اور علمائے کرام کے سامنے ایک نہایت ہی نازک سوال یہ تھا کہ موجودہ حالت کو آزادی کہا جائے یا غلامی؟ اسلامی قوانین کی رُو سے پیچیدہ سوال یہ تھا کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کو دارالاسلام مانا جائے، جیسا کہ پہلے تھا، یا دارالحرب کہا جائے جہاں برسرِ اقتدار طاقت سے جنگ کرنا یا پھر اس ملک سے ہجرت کر جانا مذہباً فرض ہے، یا اس کو دارالامن مانا جائے جہاں اگرچہ حکومت غیر مسلم ہے مگر مسلمانوں کی جان و مال محفوظ ہے اور مذہبی آزادی اُن کو حاصل ہے اور اس بنا پر حکومت سے جنگ کرنا درست نہیں۔[۵] اس وقت چند اہم سوالات جو لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو رہے تھے اور علما و فقہا کی طرف سے واضح جواب کے متقاضی تھے، وہ یہی تھے:

۳- سید محمد میاں، **علمائے ہند کا شاندار ماضی**، لاہور، مکتبۂ محمودیہ، ۱۹۷۷ء، ج ۲، ص ۷۷-۷۸

۴- بشیر الدین احمد، مصدر سابق، ج ۱، ص ۶۸۸

5 - P. Hardy, *The Muslims of British India* (Cambridge: Cambridge University Press, 1972), 50-51.

۱- مغلیہ سلطنت کی حیثیت بہ دستور دارالاسلام کی ہے یا وہ - دارالسلطنت اور دیگر علاقوں پر انگریزوں کے تسلط کے بعد، جب کہ مغل بادشاہ کی برائے نام بادشاہت بھی موجود ہے، دارالحرب میں تبدیل ہو چکی ہے؟

۲- مسلم مملکت کے دارالاسلام سے دارالحرب میں تبدیل ہو جانے کی صورت میں مسلمان اپنی سیاسی آزادی و خود مختاری اور معاشی مفادات کے تحفظ کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کریں؛ وہ مزاحمت و جہاد یا پھر ہجرت کا راستہ اختیار کریں، یا پھر ان کو انگریز حکام کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لینی چاہیے؟

۳- انگریزی اقتدار کے تحت ملازمت، نیز انگریزی زبان سیکھنے اور انگریزوں سے موالات کے بارے میں مسلمانوں کا طرزِ عمل کیا ہو؟

انیسویں صدی کے عشرۂ اوّل (۱۸۰۷-۱۸۰۸ء) سے اس صدی کے اختتام تک ان اہم قانونی و فقہی مسائل، بالخصوص سیاسی اور ملی آزادی و حُریت اور ایک دارالاسلام کے قیام کے لیے جہاد یا پھر دارالحرب میں محکومی کی زندگی گزارنے کے بجائے وہاں سے ہجرت جیسے مسائل، علما و فقہا کے غور و فکر کا موضوع بنے رہے، چنانچہ ان مسائل کی بابت کثیر تعداد میں فتاویٰ منظرِ عام پر آئے۔ ان فتاویٰ نے اسلامیانِ برّعظیم پاک و ہند کے سیاسی طرزِ فکر و عمل پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ دوسری طرف ان کی بدولت فقہی سرمایے میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ سطورِ ذیل میں ان فتاویٰ کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوائے دارالحرب

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی (۱۷۴۶-۱۸۲۴ء) ایک بلند پایہ عالم و فقیہ ہی نہیں، بلکہ ایک صاحب بصیرت سیاسی مفکر بھی تھے۔ وہ بنگال، میسور، اودھ اور روہیل کھنڈ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی کارستانیوں سے پوری طرح آگاہ و باخبر تھے۔ خصوصاً دارالسلطنت دہلی پر اس کے تسلط و اقتدار کے قیام کے مضمرات سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ ان کی نظر میں اس واقعے سے برّعظیم پاک و ہند میں اسلامی اقتدار معدوم ہو گیا تھا، اور ملت اسلامیہ کی آزادی سلب ہو گئی تھی اور وہ ایک غیر ملکی و اجنبی قوم کی محکوم اور غلام بن گئی تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وہ پہلے عالم و فقیہ تھے جنہوں نے اس ملک کے سیاسی حالات کا بڑی دقتِ نگاہ سے جائزہ لیا اور اس کی شرعی و قانونی حیثیت کے بارے میں دوٹوک رائے ظاہر کی۔ انہوں نے ملک کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا اور اس تبدیل شدہ سیاسی صورتِ حال میں مسلمانوں کو ایک واضح طرزِ عمل (جہاد و مزاحمت)

اختیار کرنے کی طرف راہ نمائی کی۔ شاہ صاحب نے ملک کی قانونی وسیاسی حیثیت کے بارے میں غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ مغل بادشاہ قطعاً بے بس اور کمزور اور سیاسی وحکومتی اختیار واقتدار سے محروم ہے۔ حقیقی اقتدار اور طاقت، غیر ملکیوں (انگریزوں) کے ہاتھوں میں ہے، جنہوں نے گو اپنے تجارتی وسیاسی مصالح کی بنا پر بعض علاقوں پر براہِ راست اپنا نظم ونسق قائم کرنے سے احتراز کیا ہے، بہ ایں ہمہ سلطنتِ مغلیہ دارالاسلام، یعنی وہ ملک جہاں اسلام کو برسرِ اقتدار یا کم از کم آزاد سمجھا جاسکے، نہیں رہا۔ اس واقعے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انگریزوں نے بعض مخصوص اسلامی شعائر کی بجاآوری میں مداخلت نہیں کی ہے۔ مسلمان اب قطعاً دارالحرب میں، یعنی ایک ایسے ملک میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس پر اقتدار سے انہیں محروم کر دیا گیا ہے۔ نصاریٰ کے تسلط کے سبب اس ملک میں اب مسلمانوں اور ذمیّوں کو تحفظ و امان حاصل نہیں رہا۔ یوں شاہ عبدالعزیز نے متعدد فتاویٰ جاری کر کے اس ملک کی شرعی و قانونی حیثیت کے بارے میں مسلمانوں کی ذہنی الجھن کو دور کر دیا۔[۶]

شاہ عبدالعزیز کا سب سے پہلا فتویٰ اس سوال (استفتا) کے جواب میں ہے کہ دارالاسلام، دارالحرب ہوسکتا ہے کہ نہیں (دارالاسلام، دارالحرب میں تبدیل ہوسکتا ہے کہ نہیں؟) اس کے جواب میں شاہ عبدالعزیز نے جو فتویٰ جاری کیا اس میں وہ دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف اور دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیل ہونے کے شرائط ذکر کرنے کے بعد ان شرائط کی روشنی میں اس ملک کی شرعی حیثیت کا تعیّن فرماتے ہیں اور اس ملک کو دارالحرب قرار دیتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے اس مسئلے میں جو فتویٰ فارسی زبان میں صادر فرمایا[۷] اس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

معتبر کتابوں میں اکثر یہی روایت مختار ہے کہ جب تین شرطیں پائی جائیں تو دارالاسلام دارالحرب ہوجاتا ہے۔ درمختار میں لکھا ہے: ''لاتصیر دارُ الإسلام دارالحرب إلّا بأمور ثلاثةٍ: بإجراء أحكام أَهلِ الشرک وباتصالها بدارالحرب، وبأن لايبقى فيها مسلم أو ذمِّيٌّ اٰمنًا بالأَمَانِ الأوّلِ على نفسهٖ، ودارالحربِ تصيرُ دارَالإسلام بإجراء أَحكام أهل الإسلام فيها''۔ یعنی دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل نہیں ہوسکتا مگر جب تین امور پائے جائیں:

۶- **مجموعہ فتاویٰ عزیزی** میں ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں کئی ایک فتاویٰ ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز، **فتاویٰ عزیزی** (فارسی)، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۴۱ھ، ج۱، ص۱۶-۱۷و۱۰۵، ۱۸۵ نیز دیگر متعدد مقامات

۷- نفسِ مصدر، ج۱، ص۱۶-۱۷

۱- وہاں مشرکین و کفار کے احکام جاری ہو جائیں۔
۲- وہ دارالاسلام، دارالحرب سے متصل ہو۔
۳- وہاں کوئی مسلمان اور کوئی ذمی اپنی امانِ اوّل پر، جو اُس کو غلبۂ کفار سے پہلے حاصل تھی، پر باقی نہ رہے۔ یعنی جو امان مسلمان کو اپنے اسلام اور ذمی کو اپنے عقد ذِمّہ کے سبب سے حاصل تھی اور دارالحرب اس وقت دارالاسلام میں تبدیل ہو جاتا ہے جب اہل اسلام کے احکام اس میں جاری ہو جائیں۔

الكافي میں لکھا ہے:

"إن المراد بدارالإسلام بلاد يجري فيها حكم إمام المسلمين و يكون تحت قهرہ و بدارالحرب بلادٌ يجري فيها أمرعظيمها وتكون تحت قهره"۔یعنی دارالاسلام سے مراد وہ شہر [ملک] ہیں جن میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ شہر اس کے زیرِ حکومت ہوں۔ اور دارالحرب سے وہ شہر مراد ہیں جن میں ان شہروں کے [کافر و مشرک] سردار کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے زیرِ حکومت ہوں۔ (۸)

شاہ عبدالعزیز **درمختار** اور **الكافي** کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد مغلیہ سلطنت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم ہر گز جاری نہیں۔ نصاریٰ کے حکام کا حکم بے دغدغہ جاری ہے اور احکام کفر کے جاری ہونے سے یہ مراد ہے کہ مقدمات، انتظامِ سلطنت و بندوبستِ رعایا، تحصیلِ خراج و باج و عشرِ اموالِ تجارت میں حکام [کفار] بہ طور خود حاکم ہوں اور ڈاکوؤں اور چوروں کی سزا اور رعایا کے باہمی معاملات اور جرموں کی سزا کے مقدمات میں کفار کا حکم جاری ہو۔ اگر چہ بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ و عیدین و اذان اور گاؤ کشی [ذبح بقر] میں کفار تعرض نہ کریں۔ لیکن ان چیزوں کا اصل الاصول ان کے نزدیک بے فائدہ ہے۔ کیونکہ مسجدوں کو بے تکلف منہدم کرتے ہیں۔ جب تک یہ اجازت نہ دیں کوئی مسلمان اور کافر ذمی ان اطراف [دہلی شہر اور اس کے نواح] میں نہیں آسکتا۔ مصلحتاً واردین اور مسافرین اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے [کو منع نہیں کرتے]۔ دوسرے امرا مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بلا اجازت ان کے شہروں میں نہیں آسکتے۔ اور اس شہر (دہلی) سے کلکتہ تک ہر جگہ نصاریٰ کا عمل [عملداری] ہے۔ البتہ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنؤ اور رام پور میں ان کا حکم جاری نہیں۔ کیونکہ ان مقامات کے والیانِ ملک نے ان سے صلح [معاہدہ] کر لی اور ان کی فرمانبرداری کر لی۔ ولر احادیث اور صحابہ کرام ؓ اور خلفاے عظام کی رائے سے ایسا ہی مفہوم ہے کیونکہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے زمانہ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ بنی یربوع دارالحرب ہے، حالانکہ جمعہ و عیدین اور اذان اس جگہ

۸- شاہ عبدالعزیز دہلوی، **فتاویٰ عزیزی**، (کامل - مبوّب بطرزِ جدید) مترجمہ: مولوی عبدالواحد نولوی غازی پوری، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۶۹ء، ص ۴۲۱

جاری تھا مگر وہاں کے لوگوں کو حکم زکوٰۃ سے انکار تھا۔ اور ایسا ہی یمامہ اور اس کے اطراف وجوانب کے بارے میں یہ حکم تھا کہ دارالحرب ہے حالانکہ ان شہروں میں مسلمان بھی تھے۔ علیٰ ہٰذا القیاس خلفائے کرام کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ بلکہ حضور ﷺ نے بھی اپنے زمانہ میں یہ حکم فرمایا تھا کہ فدک اور خیبر دارالحرب ہے، حالانکہ ان مقامات میں اہل اسلام کے تجار بلکہ وہاں کے بعض باشندے بھی وادی قریٰ میں مسلمان تھے اور فدک اور خیبر مدینہ منوّرہ سے نہایت متصل تھا۔ (۹)

اس سلسلے میں شاہ عبد العزیز کا ایک اور فتویٰ بھی موجود ہے جس میں انہوں نے دارالحرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود کے معاملے میں بھی دارالحرب اور دارالاسلام کی شرائط بیان کی ہیں اور اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کی آرا بہ حوالہ **فتاویٰ عالمگیری** نقل کی ہیں۔ (۱۰)

فتاویٰ عالمگیری کے باب استیلاء الکفار میں لکھا ہے کہ:

دارالحرب صرف ایک شرط پائے جانے سے دارالاسلام ہو جاتا ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ اس ملک میں احکام اسلام کا اظہار ہو۔ اور امام محمدؒ نے **زیادات** میں بیان فرمایا ہے کہ دارالاسلام امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس وقت دارالحرب ہو جاتا ہے جب اس دارالاسلام میں یہ تین شرطیں پائی جائیں: ایک یہ کہ اس میں کفار کے احکام جاری و شائع ہو جائیں اور وہاں اسلام کا حکم باقی نہ رہے اور حکم اسلام کے موافق اس میں حکم نہ دیا جائے۔ دوم یہ کہ یہ ملک (دارالاسلام) دارالحرب سے اس طرح متصل ہو کہ ان دونوں کے درمیان ممالک اسلام میں سے کوئی بلاد / ملک نہ ہو۔ سوم یہ کہ اس میں کوئی مسلمان اور کوئی ذمّی اپنی امانِ اوّل پر جو اس کو کفار کے غلبہ کے قبل حاصل تھی باقی نہ رہے، یعنی جو امان مسلمان کو اپنے اسلام کے سبب سے اور ذمی کو اپنے عقدِ ذمہ سے حاصل تھی باقی نہ رہے۔ اور اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اہل حرب / کفار ہمارے کسی دیار / دارالاسلام پر غالب ہو جائیں، دوم یہ کہ کسی شہر کے لوگ مرتد ہو کر وہاں غالب ہو جائیں اور وہ لوگ وہاں احکام کفر کو جاری کر دیں، سوم یہ کہ کسی شہر کے ذمی اپنا عقد ذمہ توڑ دیں اور وہاں ان کا غلبہ ہو جائے۔ تو ان سب صورتوں میں سے ہر صورت میں یہ شہر یا ملک اس حالت میں دارالحرب میں تبدیل ہو جائے گا جب وہاں مذکورہ بالا تینوں شرطیں پائی جائیں۔ اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی شرط کے پائے جانے سے دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں احکام کفر جاری و ظاہر ہوں۔ کسی دوسری شرط کی ضرورت نہیں اور یہی قول قیاس کے موافق ہے۔ (۱۱)

۹- شاہ عبدالعزیز دہلوی، **فتاویٰ عزیزی** (اردو)، ص۴۲۱-۴۲۲، اصل فتوے، جو فارسی زبان میں ہے، کے لیے دیکھیے: **فتاویٰ عزیزی**، ج۱، ص۱۶-۱۷

۱۰- ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز دہلوی، **فتاویٰ عزیزی** (فارسی)، ص۳۲-۳۳؛ **فتاویٰ عزیزی** (اردو، مبوّب بطرزِ جدید)، ص۵۵۴-۵۵۵

۱۱- ملاحظہ ہو: **فتاویٰ ہندیہ** ترجمہ **فتاویٰ عالمگیریہ**، مترجم: مولانا سید امیر علی، لکھنؤ، مطبع نول کشور، ۱۹۳۲ء، ج۳، ص۴۱۵

فتاویٰ عالمگیری کی مذکورہ عبارت سے عیاں ہے کہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسف کی رائے میں جب کسی مقام (دارالاسلام) میں کفر کے احکام جاری ہو جائیں تو وہ مقام صرف اسی ایک شرط کے پائے جانے سے دارالحرب ہو جائے گا، کسی دوسری شرط کی ضرورت نہیں۔ شاہ عبدالعزیز کی رائے میں بھی کسی دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیلی کی بنیادی شرط یہی ہے کہ وہاں کفار و مشرکین کے احکام جاری و شائع ہو جائیں، وہاں اسلام کا حکم (اقتدار و حکومت) باقی نہ رہے۔

شاہ عبدالعزیز نے دارالحرب میں کافر سے سودی معاملے سے متعلق ایک استفتا میں شامل اس سوال کہ ''انگریزوں اور ان کے مانند دوسرے لوگوں کی، جو اہلِ اسلام میں سے نہیں، عمل داری دارالحرب ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں بھی انگریزوں اور ان کے مانند دوسرے لوگوں کے، جو اہل اسلام میں سے نہیں ہیں، زیرِ اقتدار ملک کو دارالحرب قرار دیا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ یہ قول کہ دارالاسلام کبھی دارالحرب نہیں ہو سکتا، مرجوح ہے یعنی ضعیف ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ دارالاسلام، دارالحرب ہو جائے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ دارالاسلام کس صورت میں دارالحرب ہو جاتا ہے۔ علما کی ایک جماعت کا یہ کلام ہے کہ اگر کوئی ایک چیز بھی شعائر اسلام سے جبراً منع کی جائے، مثلاً اذان یا ختنہ سے جبراً دارالاسلام میں منع کیا جائے تو وہ دارالاسلام، دارالحرب ہو جاتا ہے۔ اور علما کی دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ دارومدار اس امر کا کہ دارالاسلام، دارالحرب ہو جائے، اس پر نہیں کہ اس دارالاسلام میں شعائر اسلام مٹا دیے جائیں بلکہ جب شعائر کفر بے دغدغہ باعلان دارالاسلام میں رواج پائیں، اگرچہ وہاں شعائر اسلام سب قائم ہوں، تاہم دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے۔ اور علما کی ایک تیسری جماعت بھی ہے، اس نے اس سے بھی ترقی کی ہے اور یہ کہا ہے کہ دارالحرب اس کو کہتے ہیں کہ وہاں کوئی مسلمان اور نہ کوئی کافر ذمی امن میں امانِ اوّل کے ذریعہ سے ہو، خواہ بعض شعائرِ اسلام وہاں ترک کیے گئے ہوں یا نہ کیے گئے ہوں اور خواہ باعلان شعائرِ کفر نے رواج پایا ہو یا نہ پایا ہو۔ اور اسی قول ثالث کو محققین نے ترجیح دی ہے۔ اور باعتبار اس قولِ ثالث کے عملداری انگریز کی اور ان کے مانند دوسرے غیر اہل اسلام کی عملداری بلاشبہ دارالحرب ہے [انگریز اور ان کے مانند دوسرے کفار و مشرکین کے اقتدار کے ماتحت شہر اور علاقے بلاشبہ دارالحرب ہیں]۔ واللہ اعلم۔ [۱۲]

شاہ عبدالعزیز کے ان فتاویٰ میں یہ صراحت موجود ہے کہ دارالاسلام سے مراد ایسے علاقے ہیں جن میں مسلمانوں کے امام (حکم ران) کا حکم جاری ہو، یعنی وہ شہر اور علاقے جو اس کے زیرِ اقتدار و حکومت ہوں۔ شاہ صاحب کی ان فقہی تصریحات سے معلوم ہوا کہ دارالاسلام کی اصل خصوصیت، مسلم اقتدار و حکومت کا

۱۲- شاہ عبدالعزیز، **فتاویٰ عزیزی**، مبوّب بہ طرز جدید (اُردو)، ص۵۵۶-۵۵۷ ؛ **فتاویٰ عزیزی** (فارسی)، ص ۱۰۹-۱۱۰

قیام و استحکام اور اسلامی احکام کا اظہار اور اجرا ہے، جب کہ سیاسی حالات کی تبدیلی سے دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ البتہ تبدیلی لانے والے حالات و شرائط کے تعیّن میں فقہا میں اختلافِ رائے ہے۔ تاہم شاہ صاحب کی رائے میں کسی دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیلی کے اصل الاصول شرائط دو ہی ہیں:

۱- کسی دارالاسلام میں کفار کے احکام جاری و ساری ہو جائیں۔

۲- اور وہاں کوئی بھی مسلمان یا ذمّی "امان اوّل" (جو اسلامی اقتدار کے ماتحت مسلمان کو بربنائے اسلام جب کہ ذمی کو عقدِ ذمہ کے ذریعہ سے حاصل تھی) پر باقی نہ رہ جائے، خواہ شعائرِ اسلام ترک ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔

شاہ صاحب نے دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیلی کی شرائط کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد ان شرائط کا سلطنتِ مغلیہ پر اطلاق فرمایا اور نہ صرف انگریزی حکومت کے زیرِ اقتدار حدود، بلکہ ان کے مثل مرہٹہ اور سکھ اقتدار اور بالادستی کے ماتحت ریاستوں کو بھی اس (دارالحرب) میں شامل فرمایا۔ شاہ صاحب کی نظر میں یہ دونوں شرائط، برِّعظیم کے سیاسی حالات پر صادق آتی تھیں؛ کیوں کہ دہلی سے کلکتہ تک کفار (انگریزوں) کے احکام بے دغدغہ جاری تھے اور ان علاقوں میں مسلمانوں کو حاصل "امان اوّل" معدوم ہوگئی تھی۔[۱۳] گویا شاہ صاحب کے نزدیک کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کے لیے اصل الاصول شرط یہی ہے کہ وہاں اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہو، قانون سازی اسلام کے اصولوں کے مطابق ہو، فوج داری اور دیوانی کے مقدمات، اسلامی احکام و تعلیمات کی روشنی میں طے پاتے ہوں، حدود و تعزیرات اسلام کے نافذ ہوں اور سرحدوں کی حفاظت، اسلامی مصالح کے مطابق اسلامی طریق پر ہو۔ شاہ صاحب کے نزدیک کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کے لیے مسلمانوں کو کفر کے زیرِ سایہ محض تھوڑی سی مذہبی آزادی کا حاصل ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے کامل آزادی و خود مختاری کا

۱۳- شاہ عبدالعزیز نے اپنے ملفوظات میں بھی کلکتہ سے لاہور تک کے علاوہ کو دارالحرب قرار دیا، البتہ یہ فرمایا ہے کہ رام پور اور لکھنؤ وغیرہ مقامات دارالحرب نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز، **ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز** (مترجم: مولوی محمد علی لطفی و مفتی انتظام اللہ شہابی)، کراچی: پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۶۰ء، ص۱۲۳۔ اپنے ملفوظات میں لکھنؤ کے دارالحرب نہ ہونے کی مزید صراحت کرتے ہوئے، فرمایا: "نواب وزیر کے عہد میں یہ ملک (لکھنؤ) ابھی دارالحرب نہیں ہوا البتہ دارالرفض ہے [نواب وزیر مذکور کی شیعیت کی بنا پر]۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کی حکمرانی میں برکت اور طمانیت نہیں تھی لیکن انگریزوں کے عہد میں اس سے بھی زیادہ بے برکتی ہے۔" (حوالہ مذکورہ، ص۱۱۱)

حاصل ہونا ضروری ہے۔ غرض کہ شاہ عبدالعزیز نے کلیۃً سیاسی آزادی و خود مختاری اور اقتدارِ اعلیٰ کو مدارِ حکم بنا کر انگریزی اقتدار کے ماتحت علاقوں کو دارالحرب قرار دیا۔

شاہ صاحب کا یہ مسلک، فقہاے احناف کی ایک کثیر جماعت کی تصریحات کے خلاف تھا۔ جن کی رائے میں کسی بھی دارالاسلام کو اس وقت تک دارالاسلام کہا جائے گا، جب تک اس میں اسلام کا ایک حکم بھی باقی رہے گا اگرچہ اہلِ اسلام کا غلبہ زائل ہو جائے اور وہ علاقے کفار کے قبضے میں چلے گئے ہوں۔ کوئی ملک، احکامِ کفر کے اجرا سے اس وقت دارالحرب ہو گا کہ اس میں احکامِ اسلام میں سے ایک حکم کا بھی اجرا نہ ہو۔ چنانچہ اعلان (اذان) کے ساتھ جمعہ و جماعت و عیدین کی اقامت، شریعت کے احکام کے مطابق فیصلہ و حکم اور افتا و تدریس بلا نکیر عام ہے (غیر مسلم اہلِ اقتدار معترض نہیں ہیں) تو از روے مذہبِ احناف یہ اس ملک کے دارالاسلام ہونے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اس مسلک کی رُو سے جو بلادِ اسلام کفار کے قبضہ میں چلے گئے ہیں ان میں جب تک ایک حکم اسلام بھی باقی رہے گا اس وقت تک وہ دارالحرب نہیں ہو سکتے۔[۱۴]

شاہ عبدالعزیز کے فتواے دارالحرب کا مدّعا و مقصد

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب ایک دارالاسلام، دارالحرب ہو جاتا ہے تو وہاں کے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کو پھر سے دارالاسلام بنانے کے لیے اپنی ہر ممکنہ قوت استعمال کریں اور اگر پوری جدوجہد کے باوجود انہیں اس میں کامیابی نہ ہو تو پھر ایسے ملک سے ہجرت کر جائیں۔ دارالحرب سے متعلق اس عمومی

۱۴- **فتاویٰ عالمگیری**، ج۶، ص۲۹۹۔ دیگر فقہاے کرام کی آرا کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی، **فتاویٰ نذیریہ**، لاہور، اہلحدیث اکادمی، ۱۹۷۱ء، ج۲، ص۱۹۱-۱۹۵؛ مولانا احمد رضا خان بریلوی، **الإعلام بأن هندوستان دارُالإسلام**، بریلی: مطبع اہلِ سنت و جماعت، ۱۹۴۵ء، ص۲-۸؛ مولانا حبیب الرحمن اعظمی، **دار الاسلام اور دارالحرب**، مئو، یو۔پی: مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ، ۲۰۰۲ء، ص۱۳-۱۶، مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے دارالاسلام و دارالحرب کی تعیین و تشخیص کے باب میں شاہ عبدالعزیز سے "متقدم اور ان سے افقہ" بہت سے فقہاے احناف کی تصریحات نقل کی ہیں جن کی رو سے دارالاسلام پر سے مسلم اقتدار کے خاتمے اور وہاں غیر مسلم اسٹیٹ قائم ہونے کے بعد اگر احکام اسلام [کچھ نہ کچھ] اس اسٹیٹ میں جاری ہیں تو وہ بلاشبہ دارالاسلام ہیں (حوالہ مذکورہ، ص۱۳-۲۷)۔ شاہ عبدالعزیز کی راے کے برخلاف ان فقہا کی تصریحات کی رو سے ہندوستان کا دارالحرب ثابت ہونا ناممکن تھا اور اُن کی رُو سے وہ بلاشبہ دارالاسلام ہی تھا، کیوں کہ جب تک غیر مسلموں کے زیرِ اقتدار ملک میں احکام اسلام میں سے ایک حکم بھی باقی رہے وہ دارالحرب نہیں بن سکتا۔ (حوالۂ سابق، ص۲۷-۲۸، ۳۰)

تصوّر کے پیش نظر شاہ عبد العزیز کے مذکورہ فتوے کے بارے میں اہم اور بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب کیوں قرار دیا؟ کیا اس فتوے کے جاری کرنے سے ان کا منشا صرف شرعی احکام کی رُو سے اس ملک کی انقلاب پذیر واقعی حیثیت کا تعین تھا یا وہ اس کے ذریعے (دارالاسلام کو دارالحرب قرار دے کر) مسلمانوں کو اس ملک میں مسلم اقتدار کے تحفظ و احیا اور انگریزوں کے اقتدار کے قلع قمع کے لیے عملی جدوجہد (جہاد) یا پھر ہجرت پر آمادہ کرنا چاہتے تھے؟ مطلب یہ ہے کہ کیا شاہ صاحب نے دارالحرب کو پھر سے سابقہ حالت پر واپس لانے کے لیے مسلمانوں کو کسی متعیّن لائحہ عمل کی طرف راہ نمائی کی تھی؟

اگر شاہ صاحب کے ان فتاویٰ (بہ سلسلۂ دارالحرب) کا جائزہ لیا جائے تو ان میں ایسا کوئی جواب نہیں ملتا جس میں کہا گیا ہو کہ ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کے بعد اس ملک کے مسلمانوں پر جہاد یا ہجرت کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ دراصل شاہ صاحب نے ان فتاویٰ میں مسلمانوں کو جہاد یا ہجرت کا واضح الفاظ میں کوئی حکم نہیں دیا، یعنی مسلمانوں پر جہاد یا ہجرت کا فریضہ عائد نہیں کیا؛ تاہم ان فتاویٰ میں یہ بات مضمر تھی کہ اس قسم کے علاقوں / دارالحرب کے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مسلم اقتدار کی بحالی کے لیے جدوجہد کریں[۱۵] یا پھر اس ملک سے ہجرت کر جائیں۔ شاہ صاحب نے ایک شرعی اصطلاح کا سہارا لے کر اپنے مافی الضمیر کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ شاہ صاحب کے اس فتوے کی غایت انگریزی استعمار کے خلاف مسلمانوں کو ان کے مذہبی و سیاسی شعور کو بیدار کر کے جہدوجہد کے لیے آمادہ کرنا تھا۔ شاہ صاحب کی حقیقت بین نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ ہندوستان کے موجودہ مسلم حکام و امرا میں سے اب کسی میں اس غیر مسلم ظالم و غاصب قوت کے مقابلے اور اس کو ملک سے نکال باہر کرنے کی طاقت نہیں رہی جس پر اطمینان کیا جائے؛ لہٰذا انھوں نے اس فتوے کے ذریعے مسلم عوام کو ملک کی حقیقی سیاسی صورتِ حال سے آگاہ کرنے اور غیر ملکی تسلط سے آزادی کے لیے انہیں جدوجہد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔[۱۶] شاہ صاحب کی تحریروں سے بھی ایسے اشارات ملتے ہیں نیز اس کے عملی اقدامات خصوصاً سید احمد شہید کی تحریکِ اصلاح و جہاد کی منصوبہ بندی اور اس کی نصرت و اعانت سے اس امر کا کافی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ دارالحرب کی دارالاسلام میں تبدیلی یعنی ہندوستان میں مسلم اقتدار کے تحفظ و احیا اور مسلمانوں

15 - Qureshi, *The Muslim Community*, 220

۱۶- سید حُسین احمد مدنی، **نقش حیات**، لاہور، المیزان، ۲۰۰۶ء، ج۲، ص۱۰-۱۱ ؛ سید محمد میاں، **علمائے ہند کا شاندار ماضی**، ج۲، ص۸۱ مزید دیکھیے:

Ziya-ul-Hasan Faruqi, *The Deoband School and the Demand for Pakistan* (New Delhi: Asia Publishing House, 1963), 5-6

کی آزادی کے لیے جہاد و ہجرت ہی کو ضروری خیال کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے جب ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا تو دارالسّلطنت دہلی سے رام پور (روہیل کھنڈ) کی طرف ہجرت کا ارادہ ظاہر فرمایا۔[١٧] شاہ عبدالعزیز نے اخون زادہ مولوی عبدالرحمن رام پوری (جو رام پور کے بڑے بڑے ذی مرتبت صاحب علم و فضل بزرگ تھے) اور ان کے بھائیوں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

> کافروں کا غلبہ اور ان کی کارروائیوں سے مسلمانوں کے ذرائع معاش خصوصاً علماء اور فقرا کے مسدود ہیں اور زندگی تلخ ہے۔ خدائے تعالیٰ اسلام کو غلبہ اور ظاہری و باطنی جمعیت عطا فرمائے۔[١٨]

شاہ صاحب مولوی عبدالرحمن اور ان کے بھائیوں کے نام ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

> اس ملک میں جب سے جاٹ اور مرہٹہ قوموں کو غلبہ ہوا ہے اسلام کی ظاہری صورت جو پہلے تھی، اگرچہ وہ بھی حقیقت (معنی) سے خالی تھی اب بالکل ہی بگڑ گئی ہے۔ تمام مسلمانوں کو عام طور پر اور خصوصاً علماء کو ان کی طرف سے طرح طرح کی ایذا پہنچتی ہے۔ لہٰذا یہاں [دہلی] سے پکا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی طرف کو ہجرت کر جانی چاہیے۔ مگر اس ملک [رام پور، روہیل کھنڈ] کے سوا ملک ہندوستان میں کہیں مسلمانوں کا مجمع نہیں ہے / کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ جس کی طرف ہجرت کی جائے، مگر اس ملک [رام پور] کے لوگوں کے برے عقائد [شیعیت] کا سن کر ہم لوگ توقف کرتے ہیں اور چار و ناچار ابھی تک دارالحرب میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اگر کیفیتِ اضطرار پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت مجبوراً شاید اس طرف رخ کریں اور اس جگہ [رام پور] کے امرا اور دولت مندوں کے فاسد عقیدوں کو دور کر سکیں۔[١٩]

شاہ عبدالعزیز کا فتوائے دارالحرب برِّعظیم پاک و ہند کی آزادی کی تحریک کی ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس فتوے نے برِّعظیم کی مسلم سیاسی فکر پر بڑے عمیق اور دوررس اثرات مرتب کیے۔ انگریزی حکومت کے خلاف علما کے جہاد کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ بقول خلیق احمد نظامی:

> شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر غیر ملکی اقتدار کے خلاف سب سے پہلا اور سب سے زیادہ مؤثر قدم اٹھایا تھا۔ اس فتوے کی اہمیت کو وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جو دارالحرب کے صحیح مفہوم کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی سیاست پر خاندانِ ولی اللّٰہی کے اثرات کا بھی صحیح علم رکھتے ہوں۔ سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیلؒ شہید وغیرہ نے اپنی

١٧- محمد ایوب قادری، **مقدمہ**، مشمولہ سید مصطفی علی بریلوی، **١٨٥٧ء کا ایک جانباز مجاہد: نواب خان بہادر خاں شہید**، کراچی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ١٩٦٣ء، ص ٢

١٨- **مکتوبات شاہ عبدالعزیز** (فارسی)، ص ١٦١ بحوالہ رئیس احمد جعفری (مرتب)، **اوراقِ گم گشتہ**، لاہور، محمد علی اکیڈمی، ١٩٦٨ء، ص ١٩٤

١٩- حافظ احمد علی شوقؔ، **کاملانِ رام پور**، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ١٩٨٦ء، ص ٢٠٣-٢٠٤، شاہ عبدالعزیز کے مکاتیب بنام مولوی عبدالرحمن رام پوری مع برادران، کے فارسی متن اور ان کے اردو ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو: سید رئیس احمد جعفری (مرتب)، **اوراقِ گم گشتہ**، لاہور، محمد علی اکیڈمی، ١٩٦٨ء، ص ١٩٤-١٩٧

سیاسی فکر میں انگریزی اقتدار کو جو درجہ دیا تھا اُس کی بنیاد یہی فتویٰ تھا۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک، جس کو مصلحتاً بعض ممتاز اشخاص نے سکھوں کے خلاف تحریک کا رنگ دے دیا تھا، حقیقتاً انگریزوں ہی کے خلاف سب سے زیادہ منظم کوشش تھی۔ اُن کا مقصد اولین یہی تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔ (۲۰)

شاہ عبد العزیز دہلوی کے تلامذہ و خلفا کے فتاویٰ

شاہ عبد العزیز کے شاگرد اور داماد مولانا عبد الحی بڑہانوی (م:۱۸۲۸ء) کے علاوہ شاہ صاحب کے بھتیجے شاہ اسماعیل شہید (م:۱۸۳۱ء) نے بھی برِّ عظیم کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔ اس دور میں جو فتاویٰ منظر عام پر آئے ان کے متعلق ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے:

> وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے فتووں----اُن میں سے دو فتوے یعنی ایک تو شمس الہند مولانا شاہ عبد العزیز صاحب اور دوسرا اُن کے بھتیجے [شاگرد اور داماد] مولانا عبد الحی کا سب سے زیادہ اہم ہیں۔ جب ہم نے نظام حکومت کو بتدریج اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو اُس وقت دیندار مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا کہ ہمارے ساتھ اُن کے تعلقات کیا ہونے چاہئیں۔ لہٰذا انہوں نے ہندوستان کے سب سے زیادہ مستند علما سے رجوع کیا اور اوپر کے دونوں علما نے ان کے جواب میں فتوے صادر فرمائے... جوں جوں ہماری طاقت مضبوط ہوتی گئی علما کے فتووں میں ہندوستان کا دارالحرب ہونا زیادہ نمایاں ہوتا گیا... ان فتووں سے عملی نتائج بھی مترتب ہوئے۔ وہابیوں نے اس اصول سے کہ ہندوستان دارالحرب ہے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے حاکموں (انگریزوں) کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔ (۲۱)

مولانا عبد الحی بڑہانوی نے جو فتویٰ جاری کیا اسے ہنٹر نے اپنی کتاب **ہمارے ہندوستانی مسلمان** میں نقل کیا ہے۔ ہنٹر کے نقل کردہ اس فتوے کے مطابق مولانا عبد الحی صاحب صاف طور پر حکم لگاتے ہیں:

> عیسائیوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لے کر دہلی اور ہندوستان خاص سے ملحقہ ممالک (یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے) تک سب کی سب دارالحرب ہے، کیوں کہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں وہ دارالحرب ہے۔ (۲۲)

"سلطنتِ شاہ جہان آباد (دہلی) اسم محض بلا حقیقت است کہ اصلاً معنی از سلطنت نماندہ"۔ (۲۳) (شاہ جہاں آباد دہلی کی سلطنت بس ایک نام رہ گیا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں کیوں کہ سلطنت کا حقیقی مفہوم ہی باقی نہیں رہا۔)

۲۰- خلیق احمد نظامی، **محاربہ ۱۸۵۷ء**، دارالعلوم (دیوبند)، ۱۰-۱۱: ۹۱، اکتوبر-نومبر ۲۰۰۷ء، ص ۵۹-۶۰

۲۱- ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، **ہمارے ہندوستانی مسلمان** مترجم: صادق حسین، لاہور، اقبال اکیڈمی، ۱۹۴۶ء، ص ۲۰۴-۲۰۵

۲۲- ہنٹر، نفس مصدر، ص ۲۰۵

۲۳- مدنی، **نقشِ حیات**، ج ۲، ص ۱۳-۱۴

مولانا عبدالحی نے اپنی ایک تحریر میں انگریزوں کے تسلط و اقتدار کی وجہ سے تمام مسلمانوں پر جہاد کو فرض (فرضِ عین) قرار دیا۔ مولانا نے جہاد کے فرض کفایہ اور فرض عین کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

(شہرے از اہل اسلام بدست کفار افتاد و آنہا حکم رانی کنند، پس بذمۂ ہمہ مسلمین فرض است کہ سعی در دفع کفار از آن شہر بعمل آرند۔ وایں صورت در اکثر بلاد ہندوستان پدید شدہ چنانچہ پوشیدہ نیست۔ پس بر ہمہ مسلمین مقابلہ فرض است۔ (۲۴)
مسلمانوں کے کسی شہر پر کفار کا قبضہ ہو جائے اور وہ وہاں حکمرانی کرنے لگیں تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس شہر سے کفار کا تسلط ختم کرنے کی سعی کریں۔ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں یہ صورت پیش آچکی ہے جو مخفی نہیں ہے پس تمام مسلمانوں پر اس کا مقابلہ فرض ہے۔)

مولانا اسماعیل شہید (۱۷۸۱ء-۱۸۳۱ء) نے بھی شاہ صاحب کی طرح ہندوستان میں کفار (انگریزوں اور سکھوں) کے عروج اور مسلمانوں کی محکومی و بے بسی اور اسلامی شریعت کے تعطل و التوا کی بنا پر اس ملک کو دارالحرب سے تعبیر کیا تھا اور اسی لحاظ سے انہوں نے انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کی حیثیت کو مصر میں فرعون کے ماتحت بنی اسرائیل کی حیثیت کے مساوی و مماثل قرار دیا تھا۔ (۲۵)

مولانا عبدالحی بڈہانوی اور شاہ اسماعیل شہید نے بھی دارالحرب کے مسئلے کا حل، جہاد یا ہجرت میں تلاش کیا۔ شاہ عبدالعزیز اور ان کے تلامذہ ورفقا کے ان فتووں کے عملی نتائج بھی مترتب ہوئے۔ بقول ہنٹر:

"ان فتووں سے عملی نتائج بھی مرتب ہوئے۔ وہابیوں نے اس اصول سے کہ ہندوستان دارالحرب ہے، یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے"۔ (۲۶)

سید احمد بریلوی اپنے مربیؒ و مرشد اور سرپرست، شاہ عبدالعزیز دہلوی اور اپنے معتمدین خاص، شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی بڈہانوی کی طرح گو مجتہد و فقیہ اور مفتی تو نہ تھے، تاہم وہ بالیقین برِّعظیم کو انگریزوں اور سکھوں کے تسلط و اقتدار کے تحت دارالحرب ہی سمجھتے تھے، اور اس ملک کو پھر سے دارالاسلام بنانے کے لیے جہاد کو

۲۴- **مکتوبات سید احمد شہید** (قلمی)، ص ۶۷-۶۸، محفوظہ کتب خانہ ندوۃ العلماء ۲۸۵۱/۳۵ "مختلف علوم فارسی"، بحوالہ فیصل احمد ندوی، **تحریک آزادی میں علما کا کردار ۱۸۵۷ء سے پہلے**، لکھنؤ، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷۲

۲۵- معین الدین عقیل، "تحریک ہجرت: ۱۹۲۰ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہجرتِ افغانستان اور اُس کے اثرات"، مشمولہ **علم و آگہی- تحریکات ملی نمبر** (کراچی)، ۱۹۸۳-۱۹۸۲ء، ص۱۹۹، بہ حوالہ
O Kinealy James, *Wahabi Movement, Calcutta Review*, vol. 4 (1864), 386.

۲۶- **صراطِ مستقیم** (ملفوظاتِ سید احمد شہید)، بحوالہ ندوی، **سیرتِ سید احمد شہید**، ج ۱، ص ۳۱۶

شرعی فریضہ خیال کرتے تھے۔ سید احمد شہید کے ملفوظات و مکتوبات میں صریح طور پر اس امر کا ذکر موجود ہے کہ انگریزوں کے تسلط کی وجہ سے ہندوستان، دارالحرب ہو گیا ہے۔ وہ صراطِ مستقیم میں فرماتے ہیں:

حال ہندوستان را دریں جزو زماں کہ سنہ یک ہزار و دو صد و سی و سوم است کہ اکثرش درایام دارالحرب گردیدہ۔ (۲۷)

اس وقت کہ ۱۲۳۳ھ ہے ہندوستان کا اکثر حصہ دارالحرب بن چکا ہے۔

سید احمد شہید کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک سے انگریزوں اور دوسرے غیر مسلموں (سکھوں) کے اقتدار کے خاتمہ کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ سید احمد انگریزوں کے اقتدار کو جس نظر سے دیکھتے تھے اس کا عکس ان کے خطوط میں نظر آتا ہے جو انہوں نے ہندوستان کے بعض ذی اثر رؤسا اور بعض غیر ملکی مسلمان اہلِ حکومت کو لکھے ہیں۔ سید صاحب شاہ سلیمان والی چترال کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت و سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ظلم بیداد شروع کر دی ہے۔ کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ ہو گیا ہے اور شعائرِ اسلام اٹھ گئے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا۔ دل میں غیرتِ ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہے۔ (۲۸)

سید صاحب وزیر گوالیار کو لکھتے ہیں:

جناب کو معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے [انگریز] سلطنت [سلطنت مغلیہ] کے مالک بن گئے ہیں۔ بڑے بڑے اہل حکومت اور اُن کی عزت و حرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا ہے۔ جو حکومت و سیاست کے مرد میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ اس لیے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ (۲۹)

غلام حیدر خاں، جو گوالیار کے ایک فوجی افسر تھے، کے نام سید صاحب لکھتے ہیں:

ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضے میں چلا گیا ہے اور انہوں نے ہر جگہ ظلم وزیادتی پر کمر باندھی ہے۔ ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہو گئی۔ کسی کو ان کے مقابلے کی تاب نہیں۔ بلکہ ہر ایک اُن کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے۔ چونکہ

۲۷- نفس مصدر

۲۸- سید ابوالحسن علی، ندوی، **سیرت سید احمد شہید**، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۷۵ء، ج ۱، ص ۳۲۳

۲۹- **مکاتیب سیّد احمد شہید**، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء، ص ۲۵-۲۶، ۲۷-۲۸؛ ندوی، **سیرت سید احمد شہید**، ج ۱، ص ۳۱۰-۳۱۱

بڑے بڑے اہل حکومت اُن کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ اس لیے چند کمزور و بے حقیقت اشخاص نے اُس کا بیڑا اٹھایا۔ [۳۰]

شاہ عبدالعزیز کا فتوائے دارالحرب اور تحریکِ جہاد

برّعظیم میں انگریزی حکومت کے خلاف علما کے جہاد کا آغاز شاہ عبدالعزیز دہلوی کے فتوائے دارالحرب کے اجرا ہی سے ہوتا ہے۔ [۳۱] شاہ عبدالعزیز دارالحرب کی دارالاسلام میں تبدیلی بہ الفاظ دیگر برّعظیم پاک وہند پر سے غیر ملکی و غیر مسلم اقتدار کے خاتمے اور مسلم اقتدار کے تحفظ و احیا کے لیے جہاد کو از حد ضروری خیال کرتے تھے۔ وہ اس غرض سے ایک وسیع و ملک گیر تحریک برپا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی احتیاط اور رازداری سے، اس وقت کی سیاسی صورت حال کا دقتِ نگاہ سے جائزہ لینے کے بعد جہاد کا منصوبہ بنایا۔ بعض اصحابِ استعداد خصوصاً سید احمد بریلوی کی تربیت کر کے انہیں اصلاح و جہاد کی تحریک کی قیادت کے لیے تیار کیا اور اپنے اعزاو اقارب، تلامذہ اور منتسبین کو ان کے ہاتھ پر بیعت پر آمادہ کیا۔ تحریک کو منظم کرنے کے لیے ملک کے مختلف اطراف میں علما اور ذی اثر افراد کو خطوط لکھ کر انہیں سید احمد بریلوی کی نُصرت و حمایت پر آمادہ کیا۔ یوں شاہ عبدالعزیز نے اس ملک کی سیاسی و شرعی حیثیت کے تعیّن کی غرض سے محض چند فتاویٰ صادر کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی سعی و کوشش سے ایک زبردست مذہبی و سیاسی تحریک کی بنیاد رکھ دی۔ [۳۲] شاہ عبدالعزیز جب تک حیات رہے برابر تحریک مجاہدین کی راہ نمائی فرماتے رہے۔ [۳۳]

۳۰- **مکاتیب سید احمد شہید**، ص۷۹-۸۰ ؛ ندوی، مرجع سابق، ج۱، ص۳۱۱

۳۱- سید معین الحق، پیش لفظ، **ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز**، مترجم: مولوی محمد علی لطفی و مفتی انتظام اللہ شہابی، کراچی، ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۶۰ء، ص ٦

۳۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سید احمد خان، **آثار الصنادید** (مرتبہ: خلیق انجم)، نئی دہلی، اُردو اکادمی ۱۹۹۰ء، ج ۲، ص ۳٦-۳۷ ؛ مولانا سید حسین احمد مدنی، **نقشِ حیات**، ج۲، ص۹-۱۷، ۲۲-۲۹؛ سید محمد میاں، **علمائے ہند کا شاندار ماضی**، ج۲، ص۸۴-۹۲؛ غلام رسول مہرؔ، **سید احمد شہید**، لاہور، کتاب منزل، س۔ن، ج۔۔۔ص۱۱۵-۱۱۸؛ سید ابوالحسن علی ندوی، **تاریخ دعوت و عزیمت**، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۵ء، ج۵، ص۱۷۳-۳۷۲ ؛ ندوی، **سیرتِ سید احمد شہید**، ج ۱، ص ۹۵-۱۲۵؛ اشتیاق حسین قریشی، **برّعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ**، کراچی، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء، ص۲۴۸-۲۵۵۔ شیخ محمد اکرام، **موجِ کوثر**، لاہور ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۷ء، ص۱۵، ۱۷، ۲۱، ۳۴-۳۵، مزید دیکھیے: (جاری)

۱۸۲۴ء میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کی وفات کے بعد مجاہدین کی تنظیم اور جہاد کے آغاز کی تمام تر ذمہ داری سید احمد بریلوی کے کندھوں پر آن پڑی۔ جہاد کی غرض سے سید احمد نے مسلم امرا، نوابوں نیز بعض معاصر سلاطین اور فرماں رواؤں کو خطوط بھی لکھے جن میں مسلمانوں کی زبوں حالی و بے کسی اور اسلامی شعار کی پامالی اور بے حرمتی بیان کرنے کے علاوہ تحریک جہاد کا مدعاو مقصد بھی واضح کیا گیا۔(۳۴) مزید برآں سید صاحب نے اپنے خاص آدمی مختلف ہندوستانی علاقوں میں مقرر فرمائے جو عقائد و اعمال کی اصلاح کی دعوت کے ساتھ ساتھ تحریک جہاد کے لیے روپے کے بندوبست کے علاوہ غازیوں کو تیار کرتے رہے۔(۳۵)

تحریکِ مجاہدین کے عسکری قائد سید احمد بریلوی نے تزویراتی (strategic) نقطۂ نگاہ سے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کی غرض سے تحریک کے سیاسی و عسکری مرکز کے طور پر افغانستان، جو اس وقت انگریزوں کے عمل دخل سے آزاد ایک اسلامی ملک تھا، کی سرحدوں سے ملحقہ شمال مغربی سرحدی صوبے کو منتخب کیا۔ روانگی سے قبل مجاہدین کی ایک فوجی تنظیم قائم کی، مجاہدین کو مختلف جماعتوں اور دستوں میں تقسیم کیا۔ مجاہدین کی جماعت خاص کی، قیادت مولانا محمد یوسف پھلتی (شاہ ولی اللہ کے برادر شاہ اہل اللہ، کے پوتے، م:۱۷۷۲ء) کو تفویض کی جب کہ مقدمۃ الجیش کے امیر شاہ اسماعیل شہید مقرر ہوئے۔(۳۶) سید احمد نے رائے بریلی سے روانگی سے قبل ملک بھر میں اپنے نمائندے مقرر کیے اور انہیں مختلف النوع ذمہ داریاں، مثلاً دعوتِ جہاد، مجاہدین کے لیے زرِ اعانت

(گزشتہ سے پیوستہ)

Ishtiaq Husain Qureshi, *Ulema in Politics* (Karachi : Ma'aref Limited, 1972), 139-146; Mahmood Ahmad Ghazi, *Islamic Renaissance in South Asia: The Role of Shah Wali Allah and His Successors* (Islamabad: Islamic Research Institute, 2002), 171-184, 189-204; Ziya-al-Hasan Faruqi, *The Deoband School and the Demand for Pakistan*, 2,5-7.

۳۳- مہر، مرجع سابق، ج۱، ص۱۲۳

۳۴- تفصیل کے لیے دیکھیے: **مکاتیب سیّد احمد شہید**، لاہور، مکتبۂ رشیدیہ، ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء مزید دیکھیے: مہر، مرجع سابق، ج ۱، ص۲۳۵-۲۳۳؛ غلام رسول مہرؔ، **جماعتِ مجاہدین**، لاہور، کتاب منزل، س۔ن، ص۱۱-۱۵ ؛ ندوی، **سیرتِ سید احمد شہید**، ج۱، ص ۳۰۷-۳۲۵

۳۵- مہرؔ، **سید احمد شہید**، ج۱، ص۴۳۷-۴۳۶؛ مہر، **جماعتِ مجاہدین**، ص۶۱-۵۷

۳۶- مہرؔ، نفس مرجع، ص۲۴-۲۰

اور سامانِ رسد کی فراہمی اور غازیوں کی روانگی کے انتظامات وغیرہ سپرد کیں۔[۳۷] اندرونِ ملک جہادی و اصلاحی سرگرمیوں کی قیادت شاہ عبدالعزیز کے جانشین شاہ محمد اسحاق (شاہ عبدالعزیز کے نواسے) کو تفویض کی گئی۔ شاہ محمد اسحاق، ان کے داماد مولوی نصیر الدین دہلوی اور خاندان شاہ ولی اللہ کے دیگر افراد تحریک کے پُشت پناہ تھے اور مجاہدین کی ہر طرح سے مدد کررہے تھے۔ سید احمد کی جماعتِ مجاہدین کے ساتھ سرحد کی طرف روانگی کے بعد جب پشاور مجاہدین کا محاذ جنگ تھا تو دہلی ان کا ایک ایسا مرکز (Base) تھا جہاں سے آدمی اور سامانِ رسد کے لیے مالی وسائل فراہم ہوتے تھے۔ شاہ محمد اسحاق دہلی میں وعظ فرماتے تھے تو ان کے داماد مولوی نصیر الدین دہلوی جہاد کے لیے زرِاعانت فراہم کرتے تھے۔[۳۸]

سید احمد ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کو رائے بریلی سے جہاد کے لیے روانہ ہوئے اور راجپوتانہ، اجمیر، ٹونک، سندھ، بلوچستان، قندھار، کابل اور پشاور سے ہوتے ہوئے ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۶ھ / ۱۸ دسمبر ۱۸۲۸ء کو نوشہرہ پہنچے[۳۹] اور سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کیا۔[۴۰] چند روز بعد ہی اکوڑہ خٹک اور حضرو میں سکھوں سے معرکہ آرائی کا آغاز ہوا۔ نوشہرہ میں ۱۲ جمادی الآخر ۱۲۴۲ھ / جنوری ۱۸۲۷ء کو اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور سید احمد اس کے امیر مقرر ہوئے۔ بالاتفاق سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت امامت و خلافت کرلی گئی، جس کے ساتھ ہی قضاۃ، محتسبین اور محصلین زکوٰۃ مقرر کیے گئے، قوانین و حدود شرعیہ کے اجرا و نفاذ کا انتظام ہوا اور سید احمد کا نام بہ طور امیر المؤمنین، جمعہ کے خطبہ میں ذکر کیا جانے لگا۔[۴۱] سردار یار محمد خاں اور سردار پیر محمد خان حاکمان پشاور نے بھی سید احمد کی امامت کو قبول کیا۔ جلد ہی سکھوں سے مجاہدین کی لڑائی کا آغاز ہوا (رجب ۱۲۴۲ھ / فروری ۱۸۲۷ء) جس کا سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا تاآں کہ سید احمد مع اپنے دست راست شاہ اسماعیل اور خلفا کی بڑی تعداد کے بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کے ہاتھوں مرتبہ شہادت پر فائز ہوگئے (۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ / ۶ مئی ۱۸۳۱ء)۔[۴۲]

۳۷- مہر، نفس مرجع، ص ۲-۲۰

۳۸- شیخ محمد اکرام، **موج کوثر**، ص ۳۴-۳۵، ۴۰-۴۱؛ ندوی، **سیرت احمد شہید**، ج ۲، ص ۵۷-۵۸

۳۹- ندوی، نفس مرجع، ج ۱، ص ۳۹۷-۳۴۵

۴۰- ندوی، نفس مرجع، ج ۱، ص ۳۹۷

۴۱- ندوی، نفس مرجع، ص ۴۱۱

۴۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: **سید احمد شہید**، ص ۷۸۷-۸۰۱؛ ندوی، مرجع سابق، ج ۲، ص ۴۳۲-۴۵۸

مقصد وہدفِ جہاد

سید احمد شہید کی تحریکِ جہاد کی اساس شاہ عبد العزیز کے فتوائے دار الحرب پر رکھی گئی تھی۔ اس تحریک کا مدّعا و مقصد ملکی و غیر ملکی غاصب و جارح اقوام - انگریز اور سکھ وغیرہ - کی قوت و طاقت کو توڑ کر اس ملک میں اسلامی اقتدار و حکومت کا احیا و قیام تھا۔

سید احمد بریلوی کے مکاتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید صاحب ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے تسلط اور اقتدار کو مسلمانوں کے لیے حقیقی خطرہ سمجھتے تھے۔ سید صاحب کو مسلمانوں کی بے بسی اور اہل کفر کا غلبہ، ہندوستان پر کفار کا تسلط اور اسلام کے زوال کا مشاہدہ بے چین کر رہا تھا۔ چنانچہ سید صاحب نے انگریزوں کی طرف سے لاحق خطرات کے ازالے اور ان "بیگانگانِ بعید الوطن" اور "تاجرانِ متاعِ فروش" کے اخراج کے لیے ذی اثر افراد اور اہل حکومت و طاقت کو اپنے ساتھ جدوجہد کرنے اور تعاون کی دعوت دی۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی عزت و منزلت اور ان کی ریاست و حکومت کا بقا و احیا اسی پر منحصر تھا کہ انگریزی غلبہ و اقتدار کا یہ سرطان ہندوستان کے جسم سے خارج کر دیا جائے اور ملک کو اس غیر ملکی طاقت کے چنگل سے نکال لیا جائے۔ اُن کے نزدیک اعلائے کلمۃ اللہ اور بلادِ اسلامیہ کے استخلاص کی ضرورت ہر غیور اور فرض شناس مسلمان سے جہاد کا مطالبہ کر رہی تھی۔ اُن کا یقین تھا کہ سلطنت کے بغیر نہ دین کا قیام ہو سکتا ہے اور نہ احکام شرعی کا نفاذ ممکن ہے۔ گو سید صاحب صرف ملک کی آزادی اور انگریزوں کے اخراج ہی کے داعی نہ تھے، ان کا مقصد صرف پردیسیوں کی حکومت کا ختم کر دینا ہی نہیں تھا، ان کا اصلی و حقیقی محرک یہ تھا کہ اسلام اس ملک میں بے پر و بال اور مجبور و مفلوج تھا اور سیاسی قوت و طاقت نہ ہونے کی وجہ سے الٰہی قوانین و احکام کے اجرا کا کوئی موقع نہ تھا اور مسلمان ذلت و اہانت اور شعائر اسلام تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنتے تھے۔[۴۳]

بالاکوٹ میں سید احمد بریلوی اور ان کے خلفائے عظام کی ایک بڑی تعداد کی شہادت کے ساتھ ہی اس عظیم جہادی و اصلاحی تحریک کا اہم ترین باب اپنے اختتام کو جا پہنچا۔ اس سانحے کے بعد مجاہدین کی ایک بڑی تعداد نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کی راہ لی، تاہم مجاہدین کی ایک محدود تعداد سرحدی علاقوں میں موجود رہی۔ مجاہدین کی یہ مختصر جماعت آئندہ کئی عشروں تک سرحد، بلوچستان اور سندھ کے علاوہ افغانستان میں سکھوں اور انگریزوں کے خلاف بر سرِ پیکار رہی۔ اس دوران میں تحریک جہاد کی قیادت یکے بعد دیگرے مختلف افراد کو منتقل

۴۳- سید احمد کی تحریک جہاد کے مقاصد کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: ندوی، **سیرت سید احمد شہید**، ج۱، ص ۳۲۰- ۳۲۴

ہوتی رہی۔[۴۴] سید احمد کی شہادت کے بعد سرحد میں مجاہدین کی جو مختصر جماعت رہ گئی تھی، شیخ ولی محمد پھُلتی کو اس کا امیر منتخب کیا گیا جب کہ مولوی نصیر الدین منگلوری نے مجاہدین کی عملی قیادت کی۔ مولوی نصیر الدین نے بعض مقامی خوانین اور پیروکاران سید احمد کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف جہاد کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ مولوی نصیر الدین کی پنجتار میں شہادت (۱۸۳۸ء) کے بعد بچے کھچے مجاہدین نے ستھانہ میں پناہ لی۔[۴۵]

مولوی نصیر الدین کی شہادت کے بعد جب تحریکِ جہاد دم توڑ رہی تھی، خاندان ولی اللّٰہی کے افراد نے اس کی قیادت کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لی۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز کے جانشین اور نواسے شاہ محمد اسحاق، تحریکِ جہاد کے قائد، جب کہ شاہ رفیع الدّین دہلوی کے نواسے مولوی سید نصیر الدین دہلوی (شاہ محمد اسحاق کے داماد) امیر المجاہدین مقرر ہوئے۔ مولوی سید نصیر الدین نے تحریک جہاد میں نئی روح پھونک دی۔ انہوں نے سید احمد شہید کی طرح اطرافِ دہلی، رام پور، امروہہ، میرٹھ، اجمیر، ٹونک، سندھ اور حیدر آباد دکن کے مختلف مقامات کے دورے کیے اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے مجاہدین کی ایک جماعت تیار کی اور بااثر افراد کو تحریک سے وابستہ کیا۔ ان کی قیادت میں مجاہدین نے سندھ اور ڈیرہ غازی خان میں سکھوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا، جب کہ سکھوں اور انگریزوں کے خلاف افغانستان کے حکم ران امیر دوست محمد خان کا ساتھ دیا۔ چنانچہ مجاہدین غزنی کے محاذ پر بڑی جانفشانی سے لڑے، یہاں ان کی ایک بڑی تعداد نے شہادت پائی۔[۴۶]

مولوی سید نصیر الدین کی وفات (ستھانہ، ۱۸۳۹ء) کے دو سال بعد شاہ محمد اسحاق نے پندرہ سالہ مساعیِ جہاد کی مسلسل ناکامی کے بعد خاندانِ ولی اللّٰہی کے باقی افراد کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کی تو تحریک جہاد کی ذمے داری عظیم آباد (پٹنہ) کے صادق پور خاندان کو منتقل ہو گئی، جس نے بڑی استقامت سے اور بڑی قربانیاں دے کر اس ذمہ داری کو نبھایا۔ اس خاندان کے افراد مولانا ولایت علی (م:۱۸۵۲ء) اور ان کے برادر مولانا عنایت علی (م:۱۸۵۸ء) اور فرزندِ ارجمند مولانا عبد اللہ (م:۱۹۰۲ء) نے بڑی استقامت سے تحریکِ جہاد کی قیادت کی۔ ان کی قیادت کے دور میں ۱۸۴۶ء سے سکھوں کے علاوہ انگریزی فوج کے ساتھ بھی مجاہدین کی کشمکش کا آغاز ہوا جو جنگ

۴۴- اکرام، **موجِ کوثر**، ص ۴۰-۵۳ ؛ مہر، **سرگزشتِ مجاہدین**، ص ۲۱-۳۳۹

۴۵- اکرام، مرجع سابق، ص ۴۰؛ مہر، مرجع سابق، ص ۲۵-۲۶، ۴۸-۱۲۲

۴۶- مہر، **سرگزشتِ مجاہدین**، ص ۱۲۹-۱۹۶

امبیلہ (ستمبر ۱۸۶۳ء) تک جاری رہی۔[۴۷] اس دوران میں ہندوستان میں تحریکِ جہاد کا صدر مقام، عظیم آباد (پٹنہ) تھا جہاں سے سرحد کی طرف مجاہدین اور ترسیل زر کا انتظام ہوتا تھا۔ اگرچہ مجاہدین کا ایک معقول حصہ اور زرِاعانت کی اکثر رقمیں بنگال سے فراہم ہوتی تھیں، لیکن یہ سلسلہ پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا اور ہر جگہ سے حساس اور متدیّن مسلمانوں سے خفیہ مدد تحریک کو ملتی رہی۔ چنانچہ کئی عشروں تک سرحد میں جاری جہاد کے لیے ہندوستان سے مالی امداد اور مجاہدین سرحد پر پہنچتے رہے۔[۴۸] چنانچہ برّعظیم کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں انگریزی فوج کو اس خطے میں اپنا تسلط قائم کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا رہا۔

علماے سندھ اور فتاواے دارالحرب

شاہ عبدالعزیز دہلوی کے فتواے دارالحرب کی خاطر خواہ نشرواشاعت ہوئی تھی تاآں کہ اس فتوے کی صداے بازگشت حدودِ سندھ تک پہنچی اور شہر ٹھٹھ میں اس کا اعلان عام ہوا۔ علماے ٹھٹھ وغیرہ نے اس فتوے کے حوالے سے دیارِ سندھ کو دارالحرب قرار دیا۔[۴۹] اس زمانے کے وہ ممتاز علما جنہوں نے سندھ کو دارالحرب قرار دیا ان میں مخدوم ابراہیم ٹھٹھوی (۱۱۶۲ھ-۱۲۲۵/۱۷۴۸ء-۱۸۱۰)، مخدوم محمد ٹھٹھوی، شیخ ابراہیم ٹھٹھوی، مولانا عبدالرسول چوٹیاری، مولانا عبداللہ چوٹیاری، مولانا عبدالکریم مٹیاروی اور مولانا عبدالرحیم ساکن کوٹ عالم وغیرہ شامل ہیں۔[۵۰]

مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی پہلے عالم تھے جنہوں نے سندھ کو اس وقت دارالحرب قرار دیا، جب انگریزوں نے سندھ کی سرزمین پر قدم رکھا ہی تھا؛ البتہ جودھ پور کے علاقے پر وہ قابض ہوگئے تھے۔ دیگر فتاویٰ غالباً پورے

۴۷- اکرام، مرجع سابق، ص ۴۰-۵۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مہرؔ، مرجع سابق، ص ۲۱۳-۳۴۳؛ مہرؔ، **جماعتِ مجاہدین**، متعدد مقامات پر

۴۸- اکرام، **موجِ کوثر**، ۵۳-۵۴، ۴۷

۴۹- محمد ایوب قادری، **فتویٰ دارالحرب سے تحریک موالات تک: برصغیر میں مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی کا مختصر خاکہ**، کراچی سویدا، سلسلہ مطبوعات نمبر ۴، س ن، ص ۲۶-۲۷

۵۰- قادری، نفس مرجع، ص ۲۷؛ فیصل احمد ندوی، **تحریک آزادی میں علماء کا کردار**، ص ۳۰۰-۳۰۷، علماے سندھ میں سے مخدوم ابراہیم ٹھٹھوی، مخدوم محمد ٹھٹھوی، میاں عبدالرسول چوٹیاری، اور مولانا عبدالرحیم ساکن کوٹ عالم کے فتاویٰ کے متن اور ان کے اردو ترجمے کے لیے ملاحظہ ہو: رئیس احمد جعفری، **اوراقِ گم گشتہ**، ص ۱۹۸- ۲۰۱؛ ندوی، فیصل احمد، **تحریکِ آزادی میں علماء کا کردار**، ص ۳۰۲-۳۰۷

سندھ پر انگریزوں کے قبضہ (۱۸۴۳ء) کے بعد منظر عام پر آئے۔ ان فتاویٰ میں مخدوم محمد ٹھٹھوی کا فتویٰ اس لیے بہ طور خاص قابل ذکر ہے کہ اس میں شاہ عبدالعزیز کے فتوائے دارالحرب کا عکس واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ مخدوم محمد ٹھٹھوی فرماتے ہیں:

اور یہ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ سندھ اور اُس کے قرب وجوار کے جن شہروں میں ہم رہتے ہیں، اُن میں فرنگی کافروں کا قبضہ ہوگیا ہے اور یہ بھی بلاشبہ دارالحرب ہوگئے ہیں۔ مسلمان اب دارالحرب میں مقیم ہیں جب کہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور عبادت الٰہی کے جملہ فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ مشرق و مغرب میں اکثر اسلامی شہروں پر فرنگیوں اور دوسرے کافروں کا غلبہ ہوگیا ہے۔ ہم نے نہیں سنا کہ وہ نماز سے روکتے ہوں یا جمعہ وعیدین کی نماز ادا کرنے سے روکتے ہوں۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ صاحب مذہب یہ چاہتا ہے کہ اس کا دین سربلند ہو اور اس کی ملت رواج پائے۔ اور ان (کفار) کے احکام کو غلبہ حاصل ہوچکا ہے اور ان شہروں میں ان کے دین کا دبدبہ ہے اور اکثر مسلمانوں کے حالات خراب ہوچکے ہیں اور اہل ایمان کے احکام معرضِ التوا میں ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ بھی دیارِ حرب ہوگئے ہیں۔ اے پروردگار ہمیں ظالموں کی آزمائش میں نہ ڈالنا۔[۵۱]

مخدوم محمد ٹھٹھوی کے اس فتوے کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شاہ عبدالعزیز کی طرح دارالحرب کی تعیین و تشخیص کا مدار سیاسی اقتدار پر ہے اور اگر کسی دارالاسلام پر غیر مسلم (کفار و مشرکین) کا تسلط و اقتدار قائم ہوچکا ہے تو وہ دارالحرب بن جاتا ہے اگرچہ کفر کے زیرِ سایہ انہیں مذہبی اعمال و شعائر کی ادائگی کی اجازت حاصل ہو۔

مولانا عبدالکریم ٹیاروی نے، ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کرلیا تو ارضِ سندھ کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کا فتویٰ جاری کیا۔ مولانا انگریزوں کے خلاف جہاد کو فرض خیال کرتے تھے، تاہم وہ اس وقت سن رسیدہ تھے، فرمایا! ہم فرنگیوں کو دیکھ نہیں سکتے اور بڑھاپے کی وجہ سے لڑ نہیں سکتے۔ لہٰذا ہجرت کرکے مکہ مکرمہ چلے گئے اور ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں وہیں انتقال فرماگئے۔[۵۲]

تحریکِ آزادی ہند ۱۸۵۷ء اور فتاوائے جہاد

شاہ عبدالعزیز کے فتوائے دارالحرب (۱۸۰۷ء/۱۸۰۸ء) کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے اختتام تک ملک کے مختلف حصوں میں درجنوں ایسے فتاویٰ منظر عام پر آئے جن میں انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کا

۵۱- فیصل احمد ندوی، مرجع سابق، ص۳۰۳-۳۰۵؛ رئیس احمد جعفری، مرجع سابق، ص۱۹۹-۲۰۰

۵۲- فیصل احمد ندوی، مرجع سابق، ص۳۰۶-۳۰۷

اعلان کیا گیا تھا۔[۵۳] ان فتاویٰ میں سے چند ایک اس اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ علما کی ایک جماعت نے باہمی مشاورت سے صادر کیے تھے، گویا وہ اجتماعی اجتہاد کے آئینہ دار تھے۔

اس سلسلے کا سب سے اہم فتوی، علمائے دہلی کی طرف سے جاری ہوا۔ جنگ آزادی کا آغاز ۱۰ر مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی سے ہوا، اگلے ہی روز (۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء) انقلابی سپاہی میرٹھ سے آکر دہلی شہر میں داخل ہوئے۔[۵۴] پھر مختلف جگہوں سے فوجیں بغاوت کرکے دہلی میں داخل ہونے لگیں۔ انقلابی فوجیں شہر سے باہر آکر انگریزوں کا مقابلہ کرتی رہیں۔[۵۵] گو جلد ہی بہادر شاہ کا اقتدار قائم ہو گیا مگر تحریک میں نظم و ضبط اور عوام میں جوش و جذبہ ۲ر جولائی کو جنرل بخت خان کے دہلی پہنچنے کے بعد پیدا ہوا۔ بہادر شاہ نے بخت خان کو انقلابی فوجوں کی کمان سپرد کر دی۔ بخت خان نے (جس کے ہمراہ مجاہدین کی ایک بڑی جماعت تھی جس کی قیادت مولانا سرفراز علی کر رہے تھے، جنہیں امیر المجاہدین کہا جاتا تھا) شہر کا نظام درست کیا اور اعلان کیا کہ "شہر کے تمام لوگ مسلح ہو کر نکلیں۔ مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین ہیں اور شہر کے مسلمانوں سے جہاد کے لیے ان کے ہمراہ شریک ہونے کی اپیل کی گئی ہے"۔[۵۶]

۵۳- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: محمد ایوب قادری، **جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات**، کراچی، پاک اکیڈمی، ۱۹۷۶ء؛ سید خورشید مصطفی رضوی، **تاریخ جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء**، لاہور، یو پبلشرز، ۲۰۰۷ء

۵۴- رضوی، نفسِ مرجع، ص ۲۴۱-۲۴۲، ۲۵۵-۲۵۸

۵۵- رضوی، نفسِ مرجع، ص ۲۶۹-۲۸۴۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران میں جہاد کا تصور مسلمان علما کے درمیان بہت واضح صورت اختیار کر چکا تھا۔ دہلی کی جامع مسجد میں مرتب ہونے والا فتویٰ اور عام مسلمانوں کے جہاد کے یہ نعرے مثلاً "دین دین - بسم اللہ" اس کی واضح علامتیں تھیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کے۔ ایم۔ اشرف، "احیائے اسلام کے حامی اور ۱۸۵۷ء کا انقلاب"، مشمولہ پی سی جوشی (مرتب)، **انقلاب ۱۸۵۷ء - جدید انکشافات**، لاہور، مکتبۂ اخوّت، ۱۹۹۵ء، ص ۹۶، ۱۰۵-۱۱۵

۵۶- رضوی، مرجع سابق، ص ۲۸۴-۸۸۔ مولانا سرفراز علی تحریک مجاہدین کے سرگرم کارکن اور امام المجاہدین تھے۔ ملاحظہ ہو: قادری، مرجع سابق، ص ۴۰۸۔ بخت خان کے ساتھ جو مجاہدین تھے وہ رام پور، مراد آباد، رجب پور اور امروہہ وغیرہ سے ہمراہ آئے تھے۔ رضوی، مرجع سابق، ص ۲۸۵

علماے دہلی کا فتواے جہاد

جنرل بخت نے دہلی پہنچنے پر پہلا کام یہ کیا کہ ممتاز اور سربر آوردہ علما سے جامع مسجد دہلی میں جہاد کا فتویٰ (انگریزوں کے خلاف) مرتب کرایا۔(۵۷) یہ فتویٰ اس زمانے کے اخبارات **ظفر الاخبار** اور **صادق الاخبار** میں شائع ہوا، جس کے بعد دہلی میں جہاد کا خوب چرچا ہوا۔ جامع مسجد میں جو فتواے جہاد مرتب ہو کر جاری ہوا وہ ملاحظہ ہو:

> **استفتا:** کیا فرماتے ہیں علماے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہلِ اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرضِ عین ہے یا نہیں اور اوپر لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہیے کہ نہیں؟ بیان کرو اللہ تم کو اجر دے۔
>
> **جواب:** دریں صورتِ مرقومہ فرضِ عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اُس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرتِ اجتماعِ افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلاتِ حرب کے۔ تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف و حوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلہ سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرضِ عین ہو جائے گا اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے سارے اہلِ زمین پر شرقاً غرباً فرض عین ہو گا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور قتل اور غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت سے۔(۵۸)

اس فتوے پر چونتیس علماے کرام کے دستخط ہیں۔ ان میں سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی، شاہ احمد سعید مجددی، شاہ عبدالغنی مجددی، مولانا محمد سرفراز علی، فریدالدین، مولانا عبدالقادر لدھیانوی، وہ اصحابِ عزیمت تھے جو اس فتواے جہاد کے حقیقی بانی و مبلغ تھے اور اس فتوے کو از روئے شریعت صحیح اور حق سمجھتے تھے۔ ان علما نے فتوے دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جنگ آزادی میں عملاً مردانہ وار حصہ بھی لیا۔(۵۹)

اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک بھر سے خاص دہلی میں ہزاروں کی تعداد میں مجاہدین جمع ہو گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں یہ مجاہدین دور دراز مقامات سے یہاں پہنچے۔ اُن کے پاس اپنی ضروریات کے لیے بھی روپیہ نہ تھا،

۵۷- قادری، **جنگ آزادی ۱۸۵۷ء**، ص ۴۰۳-۴۰۲

۵۸- استفتا اور جواب کے لیے ملاحظہ ہو: رضوی، مرجع سابق، ص ۳۴۷-۳۴۸؛ قادری، مرجع سابق، ص ۴۰۴-۴۰۵

59- Avril Ann Powell, *Muslims & Missionaries in Pre-Mutiny India* (Surrey, UK: Curzon Press, 1993), 273-274.

بدن پر ثابت کپڑے نہ تھے اور بھوکے مرتے تھے مگر دین و وطن کی حفاظت کے لیے ایثار و قربانی کے جذبات سے سرشار تھے۔ علماء نے جس طرح جہاد کی رُوح تمام ملک میں پھونکی تھی اسی کا یہ کرشمہ تھا۔ [۶۰]

مظفر نگر کے علما کا فتوائے جہاد

اسی طرح کا ایک فتویٰ علمائے ضلع مظفر نگر، جن کی قیادت و راہ نمائی حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۲-۱۳۱۷ھ / ۱۸۱۶-۱۸۹۹ء) کر رہے تھے، جاری کیا۔ جنگ آزادی کے آغاز پر سہارن پور، کیرانہ، شاملی، تھانہ بھون، دیوبند، گنگوہ اور نانوتہ وغیرہ سے علما، تھانہ بھون پہنچے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کے معاملے میں مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی جس میں مولانا امداد اللہ، مولانا محمد مظفر نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد احسن نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حافظ محمد ضامن شہید اور مولانا شیخ محمد تھانوی جیسے علمائے کبار شریک ہوئے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی نے جہاد کے خلاف رائے دی جب کہ دیگر علما نے انگریزوں کے خلاف جہاد کے حق میں رائے دی۔ آخر فیصلہ جہاد کے حق میں ہوا۔ [۶۱] علما کا

۶۰- دیکھیے: قادری، مرجع سابق، ص ۴۰۵-۴۰۹، ۴۲۰، ۵۸۸-۵۹۱۔ مفتی ضیاء الحسین (مرتب)، **۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور علمائے لدھیانہ مع فتاویٰ قادریہ**، فیصل آباد، اسلامی تعلیمی ادارہ، ۱۹۹۵ء، اشاعت سوم، ص ۲۳-۴۱، ۲۸۔ اس فتوے پر دست خط کرنے والوں میں مولانا سید محمد نذیر حسین، شمس العلماء مولوی ضیاء الدین، مولوی سید محبوب علی جعفری، مفتی صدر الدین آزردہؔ، مولوی حفیظ اللہ خان، مفتی رحمت علی خان، مولوی سید احمد علی امام جامع مسجد، مولوی محمد امداد علی، اور مولوی کریم اللہ وغیرہ جیسے ممتاز علما بھی شامل تھے، تاہم وہ عملاً اس تحریک میں شامل نہیں تھے وہ جہادی سرگرمیوں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جنہوں نے محض جہادیوں کے ڈر کی وجہ سے فتوے پر دست خط کیے تھے، ملاحظہ ہو: قادری، مرجع سابق، ص ۴۰۹-۴۱۶؛ افتخار عالم مارہروی، **حیات النذیر**، دہلی، ۱۹۱۲ء، ص ۳۹-۴۷۔ مولانا سید نذیر حسین کے سوانح نگار فضل حسین بہاری کے بیان کے مطابق شمس العلما میاں سید محمد نذیر حسین دہلوی (۱۸۰۵-۱۹۰۲ء) نے جہاد کے فتوے پر دست خط بھی نہ کیے تھے اس لیے وہ عملاً جہاد سے الگ رہے اور انگریزی سرکار سے انعام اور خوشنودی کے سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیے (ملاحظہ ہو: فضل حسین بہاری، **الحیاۃ بعد المماۃ**، سانگلہ ہل، ضلع شیخوپورہ، المکتبۃ الاثریہ، ۱۹۸۴ء، ط ۲، ص ۷۶-۸۱)۔ فضل حسین کے مطابق مولانا نذیر حسین ۱۸۵۷ء کی جنگ کو جہاد نہیں بلکہ غدر خیال کرتے تھے، کیوں کہ اس میں شرائطِ امارت و جہاد بالکل مفقود تھے۔ حوالہ مذکورہ، ص ۷۶، مولانا نذیر حسین نے اپنے فتاویٰ میں شرائطِ جہاد و امارت تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو: مولانا سید نذیر حسین دہلوی، **فتاویٰ نذیریہ**، لاہور: اہل حدیث اکادمی، ۱۹۷۱ء، ج ۳، ص ۲۷۷-۲۸۶

۶۱- رضوی، **تاریخ جنگ آزادی ہند**، ص ۳۴۷

اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ اس وقت جہاد فرضِ عین ہے۔ شرائط جہاد کی رعایت کرتے ہوئے حاجی امداد اللہ کو امیر جہاد مقرر کیا گیا، جن کی قیادت میں ان علما نے شاملی میں انگریزوں سے جہاد کیا اور ابتلا و محن سے دو چار ہوئے۔ اس جنگ میں حافظ محمد ضامن شہید ہو گئے۔ (۶۲)

مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتوائے دارالحرب

جہاد شاملی میں شریک ممتاز عالم رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴-۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ بھی صادر فرمایا۔ اس فتوے کی عبارت پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں شاہ عبدالعزیز اور ان کے تلامذہ مولانا عبدالحی بڈہانوی اور شاہ اسماعیل شہید کے فتاویٰ کی روح پوری طرح سے سمو دی گئی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ فتویٰ شاہ عبدالعزیز ہی کے فتوے کا نقشِ ثانی ہے۔ (۶۳) فتویٰ انتہائی مفصل اور خاصا طویل ہے، ذیل میں استفتا اور جواب کا کچھ حصہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

سوال: اس مسئلہ میں حضرات علماء عصر کیا فرماتے ہیں کہ بلادِ ہندوستان جو آج کل ہر طرح سے نصاریٰ کے تسلط و حکومت میں ہیں، احکام شرعیہ میں ان کو دارالحرب قرار دیا جائے گا یا دارالاسلام؟

الجواب: پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ کسی ملک اور کسی شہر کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار اس پر ہے کہ اس پر غلبہ اہل اسلام کا ہے یا کفار کا۔ بناء علیہ جو شہر مسلمانوں کے زیرِ حکومت ہے وہ دارالاسلام کہلائے گا... ہماری غرض یہ ہے کہ کسی ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار صرف اسلام یا کفر کے غلبہ پر ہے۔

اور جو ملک یا شہر دارالاسلام تھا پھر اس پر کفار نے غلبہ کر لیا۔ اگر وہاں سے اسلام کا غلبہ بالکلیہ زائل ہو گیا تو وہ ملک اب دارالحرب کے حکم میں ہو گیا اور اگر کفار کا غلبہ تو ہوا مگر بعض حیثیات سے اُس میں اسلام کا غلبہ بھی باقی ہے تو اُس کو اب

۶۲- نفس مرجع، ص ۴۰۱؛ قادری، مرجعِ سابق، ص ۱۷۷-۱۷۸؛ مولانا مناظر احسن گیلانی، **سوانح قاسمی**، لاہور، مکتبۂ رحمانیہ، س۔ن، ج ۲، ص ۱۲۱-۱۲۷

۶۳- خلیق احمد نظامی، **تاریخ مشائخ چشت**، دہلی، ادارۂ ادبیات، ۱۹۸۰ء، ص ۲۹۵؛ گیلانی، مرجعِ سابق، ج ۲، ص ۱۹۴-۱۳۴؛ ایچ-بی-خان، **برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار**، اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۸۵ء، ص ۲۴-۲۶۔ اس جہاد میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی شریک ہوئے، البتہ مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی شریک نہیں ہوئے۔ ملاحظہ ہو: محمد اسحٰق بھٹی، **فقہائے پاک و ہند (تیرھویں صدی ہجری)**، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ج ۳، ص ۲۴۳۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، **تذکرۃ الرشید**، لاہور، ادارۂ اسلامیات، ۱۹۸۶ء، ج ۱، ص ۸۰-۸۳۔ مزید دیکھیے:

Faruqi, *The Deoband School and the Deman d for Pakistan*, 20-21.

بھی دارالاسلام ہی کہا جائے گا نہ کہ دارالحرب۔ اتنی بات پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔ البتہ اس میں کلام ہے کہ غلبۂ اسلام کے بالکل زائل ہو جانے کی حد کیا ہے؟ سو اس میں صاحبین یعنی امام ابو یوسف و محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے علی الاعلان احکامِ کفر کو جاری کر دیا اور مسلمان اپنے غلبہ و قدرت سے بلا اجازتِ کفار احکام اسلام کو جاری نہیں کر سکتے تو غلبۂ اسلام بالکل مرتفع ہو گیا اور یہ ملک بحکمِ دارالحرب ہو گیا۔۔۔۔ اور جب کہ کفار اپنے احکام کو غلبہ و تسلط کے ساتھ علی الاعلان جاری کرتے ہوں اور مسلمان بلا اُن کی اجازت کے اپنے احکام علی الاعلان جاری رکھنے پر قدرت نہ رکھیں تو وہاں غلبہ اسلام بالکل مرتفع اور زائل ہو گیا اور قیاس اسی کا مقتضٰی ہے۔

اب ہندوستان کی حالت پر خود غور کر لیں کہ اس جگہ کفار نصاریٰ کے احکام کا اجرا کس قوت و غلبہ کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی ادنیٰ کلکٹر یہ حکم کر دے کہ مساجد میں نماز ادا نہ کرو تو کسی امیر و غریب کی مجال نہیں کہ ادا کر سکے۔ اور یہ جو کچھ ادائے جمعہ و عیدین اور عمل (بعض) قواعد شرعیہ پر جو کچھ ہو رہا ہے محض ان کے قانون کی وجہ سے کہ انہوں نے یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب میں آزاد ہے کسی کو اُس سے مزاحمت کا حق حاصل نہیں۔ اور سلاطین اسلام کا دیا ہوا امن جو یہاں کے رہنے والوں کو حاصل تھا اب اُس کا کہیں نام و نشان نہیں۔ کون عقل مند کہہ سکتا ہے جو امن شاہ عالم نے دیا ہوا تھا آج بھی ہم اس امن کے ذریعے مامون بیٹھے ہوئے ہیں۔ بلکہ امنِ جدید کفار سے حاصل ہوا ہے اور اسی نصاریٰ کے دیے ہوئے امن کے ذریعہ تمام رعایا ہندوستان میں قیام پذیر ہے۔ لیکن اتصال بدارالحرب، سو یہ ممالک و اقالیم عظیمہ کے لیے شرط نہیں بلکہ گاؤں اور شہر وغیرہ کے لیے شرط ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہاں مدد پہنچنا آسان ہے اور اگر کوئی کہے کہ اگر شاہ کابل یا شاہ روم کی طرف سے مدد پہنچ جائے تو کفار کو ہندوستان سے نکال سکتے ہیں۔ مگر حاشا و کلا یہ بالکل صحیح نہیں بلکہ ان کا اخراج ہندوستان سے سخت مشکل ہے۔ بہت بڑے جہاد اور عظیم الشّان سامانِ جنگ کو چاہتا ہے۔ بہر حال تسلط کفار کا ہندوستان پر اس درجہ میں ہے کہ کسی وقت بھی کفار کا تسلط کسی دارالحرب پر اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور شعائرِ اسلامیہ جو مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ محض ان کی اجازت سے ہے۔ ورنہ مسلمانوں سے زیادہ عاجز رعایا کوئی نہیں ہے۔ ہندوؤں کو بھی ایک درجہ کا رسوخ حکومت میں حاصل ہے۔ مسلمانوں کو وہ بھی نہیں۔ البتہ ریاست ٹونک اور رام پور اور بھوپال وغیرہ کہ وہاں کے حکام باوجود مغلوب کفار ہونے کے اپنے احکام کو جاری رکھتے ہیں، ان کو دارالاسلام کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ در مختار وغیرہ کی روایات سابقہ سے مستفاد ہوتا ہے۔[۶۴]

۶۴- مولانا رشید احمد گنگوہی کا یہ فتویٰ، **فيصلة الأعلام في دار الحرب و دار الإسلام** کے عنوان سے چھپا تھا۔ جس کا اردو ترجمہ اور شرح مفتی محمد شفیع کے قلم سے **کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟** کے عنوان سے مکتبہ دارالتبلیغ، دیوبند-سہارن پور سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئے: مولانا رشید احمد کا یہ فتویٰ اب ان کے مجموعۂ تالیفات میں شامل ہے۔ مکمل فتوے کے لیے دیکھیے: مولانا رشید احمد گنگوہی، **تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ**، لاہور، ادارۂ اسلامیات، ۱۹۹۲ء، ص ۶۵۳-۶۶۸

حصہ ٔ دوم

فتاویٰ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد (فتاویٰ بہ سلسلہ ٔ تنسیخِ جہاد)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے جنگ آزادی کو غدر، سرکشی اور بغاوت کے ناموں سے پکارا اور مجاہدین کو باغی، غدّار اور سرکش قرار دیا۔

انگریزوں نے مسلمانوں کو بدترین انتقام کا نشانہ بنایا اور ان پر شدید مظالم ڈھائے۔ انگریز فوجیوں نے دہلی اور دیگر علاقوں پر از سرِ نو غلبہ و تسلط حاصل کرنے کے ساتھ ہی وسیع پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مجاہدین اور ان کی اعانت کے شبہے میں عام مسلمانوں کو پھانسیوں پر چڑھایا، جب کہ ہزاروں کو طرح طرح سے ہلاک کیا۔[۶۵] انگریزوں نے جوش انتقام میں بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے مکانوں، عمارتوں، خانقاہوں، مدرسوں اور مسجدوں کو نذرِ آتش اور منہدم کیا خصوصاً دہلی کو برباد کرکے رکھ دیا۔[۶۶] انگریزی حکومت

۶۵- مولانا رشید احمد گنگوہی، **تالیفات رشیدیہ**، ص۶۵۵-۶۵۶، ۶۵۹-۶۶۰، ۶۶۷-۶۶۸۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتوائے دارالحرب کے اسباب و محرکات نیز اس موضوع سے متعلق ان کے دیگر فتاویٰ کے جائزے کے لیے ملاحظہ ہو: نورالحسن راشد کاندھلوی، ”حضرت مولانا گنگوہی کا تاریخی فتویٰ“، درسہ ماہی **احوال و آثار**، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر، ۱:۲ (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۷ء)، ص۷۷-۱۰۲۔ برِّعظیم پاک و ہند کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے مذکورہ فتوائے دارالحرب، مولانا رشید احمد گنگوہی کا پہلا اور آخری فتویٰ نہیں ہے۔ اس موضوع پر ان کے کم از کم دو فتوے اور معلوم ہیں جو فتوائے دارالحرب کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں فتوے زیرِ بحث مفصل فتوے سے خاصے مختلف ہیں۔ ان فتووں میں مولانا رشید احمد نے اپنی سابقہ مفصل رائے کے برخلاف ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے میں مُتذبذب نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ”ہندوستان دارالحرب ہے کہ نہیں؟“ سے متعلق استفتا اور فتویٰ ملاحظہ ہو:

سوال: ہند بقول امام صاحب یا صاحبین کیا دارالحرب ہے؟ اگر نہیں تو مولانا محمد اسماعیل صاحب دہلوی نے **صراطِ مستقیم** میں کس وجہ سے عصر ماضیہ میں اکثر کی نسبت ایسا لکھا ہے اور فتنہ سابقہ میں اکثر اکابر، اعلائے کلمۃُ اللہ کی طرف کیوں مائل تھے؟ اگر مستامنین قرار دے کر ارتفاعِ امان کو علت کہا جاوے تو یہ بھی محل تامل ہے؟

جواب: ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علما کا ہے۔ بظاہر تحقیقِ حال بندہ کو خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل مسئلے میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۶- تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا محمد فضل حق خیر آبادی، **باغی ہندوستان**، مترجم: عبدالشاہد خان شروانی، لاہور، مکتبہ ٔ قادریہ، ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء، ص۲۶۶۔۲۷۲؛ سید طفیل احمد منگلوری، **مسلمانوں کا روشن مستقبل**، لاہور، مکتبہ ٔ محمودیہ، ۲۰۰۱ء، (جاری)

نے جنگ کے بعد مسلمانوں کی وسیع پیمانے پر املاک اور جاگیریں ضبط کیں اور ان پر بھاری جرمانے بھی عائد کیے[۶۷] جس سے وہ شدید اقتصادی ابتری اور بدحالی سے دوچار ہوئے۔ سر سید احمد خاں (۱۸۱۷۔۱۸۹۸ء) نے، جنھوں نے ۱۸۵۷۔۱۸۵۸ء کے دوران میں بجنور اور مراد آباد میں مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی کارروائیوں کو قریب سے دیکھا تھا، مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور ان پر آنے والی آفات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> یہ بدبختی کا وہ زمانہ ہے جو ۱۸۵۷ء اور ۵۸ء میں ہندوستان کے مسلمانوں پر گزرا، کوئی آفت ایسی نہ تھی جو اُس زمانے میں نہ ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی۔۔۔ کوئی بلا آسمان سے نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔[۶۸]

انگریزوں کے نزدیک ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی، جہاد کی تحریک تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ ۱۸۵۷ء کی لڑائی کے دوران میں اور پھر امن و امان قائم ہونے پر علما کے ساتھ خاص طور پر سختی کا سلوک کیا گیا۔[۶۹] حکومت نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک مجاہدین کو کچلنے پر خاص توجہ دی، کیوں کہ اسے یقین تھا کہ یہی تحریک سرحد میں اُس کے خلاف جہاد و مزاحمت کی ذمہ دار ہے اور خفیہ طور سے سرحد کی طرف سے مالی اعانت اور مجاہدین کی ترسیل کا ذریعہ ہے۔[۷۰] چنانچہ اپریل ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۸ء تک اُس نے سرحد کے آزاد علاقے کی طرف متعدد بار بڑی بڑی فوجیں روانہ کیں۔ انگریز فوجیوں نے عسکری کارروائیوں میں مجاہدین کے اہم مراکز ستھانہ (۱۸۵۸ء) اور ملکا (جنگ امبیلہ، ۱۸۶۳ء) کے علاوہ کوہِ سیاہ پر ان کے ٹھکانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ آزاد قبائل کو سزا دینے کے

(گزشتہ سے پیوستہ) ص ۸۰۔۸۲؛ غلام رسول مہرؔ، **۱۸۵۷ء۔ پاک و ہند کی پہلی جنگ آزادی**، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص ۲۲۰-۲۲۷-۲۳۷؛ رضوی، مرجع سابق، لاہور، یو پبلشرز، ۲۰۰۷ء، متعدد مقامات پر مزید دیکھیے:
Hardy, The Muslims of British India, 71-73; Syed Moinul Haq, *The Great Revolution of 1857* (Karachi: Pakistan Historical Society, 1968), 231-232,237-238

۶۷- مہر، مرجعِ سابق، ص ۲۳۸ ۔ ۲۴۸ مزید دیکھیے:
Haq, *The Great Revolution of 1857*, 235-236, 241-244

۶۸- مہر، مرجعِ سابق، ص ۲۱۶ ۔ ۲۲۳ متعدد مقامات پر مزید دیکھیے:
Hardy, op.cit., 73-77

۶۹- الطاف حسین حالیؔ، **حیات جاوید**، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۳

۷۰- ابو اللیث صدیقی، مقدمہ، مشمولہ سر سید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۔۱۱، ۵۰، ۵۹۔۶۰

Hardy, op.cit., 84

لیے ان کے مکانات، اور قلعوں کو مسمار اور نذر آتش کر دیا، حتیٰ کہ سایہ دار درختوں کو بھی کاٹ ڈالا۔ ان کارروائیوں میں مجاہدین کی ایک کثیر تعداد مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئی۔(۷۱) حکومت نے تحریک کو سرد کرنے کے لیے فوجی اقدامات کے علاوہ ملک بھر میں تحریک کے راہ نماؤں اور کارکنوں، نیز اس کے معاونین (جو مالی اعانت کی فراہمی کا ذریعہ رہے) پر ملکۂ معظمہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کی سازش کے الزام میں سخت داروگیر شروع کی اور بہت سے علما، تجار اور مبلّغین پر مقدمے چلائے، ان کی جائدادیں ضبط کیں اور ان کو دوسری سخت ترین سزائیں دیں۔ اس سلسلے میں انبالہ- پنجاب کا مقدمۂ سازش (۱۸۶۴ء)، پٹنہ (پہلا مقدمۂ سازش ۱۸۶۵ء، دوسرا مقدمۂ سازش ۱۸۷۱ء)، مالدہ- بنگال کا مقدمۂ سازش (۱۸۷۰ء) اور راج محل (ضلع مالدہ متصل ضلع مُرشد آباد) کا مقدمۂ سازش (۱۸۷۰ء) بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔(۷۲) انبالہ کے مقدمے میں، جسے انگریزوں نے "وہابیوں" (سید احمد بریلوی کی تحریکِ جہاد کے راہ نماؤں، ممتاز کارکنوں اور ان کے معاونین) کے خلاف سب سے بڑا مقدمہ قرار دیا تھا، مولوی محمد جعفر تھانیسری، مولانا یحییٰ علی جعفری عظیم آبادی، ان کے برادر مولانا احمد اللہ اور مولانا عبدالرحیم عظیم آبادی کے علاوہ تحریک کے متعدد اہم ذمہ داروں کو، جو آزاد علاقے میں مجاہدین کو رقمیں پہنچانے اور شیفتگانِ جہاد کے لیے سرحد پہنچنے کا انتظام کرتے تھے، پہلے ضبطیٔ جائداد اور پھانسی کی سزا سنائی گئی، جو بعد میں حبسِ دوام بہ عبورِ دریائے شور میں بدل دی گئی اور انہیں جزائر انڈمان کی طرف بھیج دیا گیا۔(۷۳) یہی نہیں بلکہ بنگال، بہار، مدراس، بمبئی، دیناپور اور دیگر علاقوں کے تمام مبلغوں کی فہرست مرتب کی گئی اور اس فہرست کے بہ موجب تقریباً دس سال تک ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاتا رہا(۷۴)۔

۷۱- تفصیل کے لیے دیکھیے: مرجع سابق، ۲۹۲ -۲۹۷ و دیگر مقامات؛ اکرام، **موجِ کوثر**، ص ۵۲-۵۳ مزید ملاحظہ ہو:
Qeyamuddin Ahmad, *The Wahhabi Movement in India* (New Delhi: Manohar, 1994) 176-193

۷۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مہر، مرجع سابق، ص ۳۰۳-۳۵۸؛ اکرام، مرجع سابق، ۵۴؛ مولانا مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک**، لاہور، ادارۂ مطبوعات سلیمانی، ۱۹۷۹ء، ص ۱۱۲-۱۴۷۔ مزید دیکھیے:
Ahmad, *The Wahhabi Movement*, 200-214, 218-221; Hardy, *The Muslims of British India*, 84

۷۳- مہر، مرجع سابق، ص ۳۸۴-۳۹۵۔ مزید دیکھیے:
Ahmad, *The Wahhabi Movement*, 200-208

۷۴- مولانا مسعود عالم ندوی، مرجع سابق، ص ۱۴۸-۱۵۰؛ محمد ایوب قادری، مقدمہ، مشمولہ مولوی محمد جعفر تھانیسری، **تواریخ عجیب- یعنی کالا پانی**، کراچی، سلمان اکیڈمی، ۱۹۶۲ء، ص ۲۷-۲۸ مزید دیکھیے: (جاری)

حکومت نے علماے عظیم آباد (پٹنہ) بالخصوص صادق پور خاندان کو (جس کے افراد مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور مولانا عبداللہ نے سید احمد شہید کے بعد تحریک جہاد و اصلاح کو بنگال و بہار میں مستحکم کرنے کے علاوہ راج شاہی سے لے کر پشاور تک جہادی سرگرمیوں کو مربوط و منظم کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا) (۷۵) سخت انتقام کا نشانہ بنایا۔ صادق پور کا وسیع محلہ جس میں اس خاندان کے وسیع مکانات تھے، مسمار اور زمین کے برابر کر کے منہدم مکانوں کا احاطہ پٹنہ میونسپلٹی کو دے دیا گیا۔ اس جگہ میونسپلٹی کی عمارت کی تعمیر کی غرض سے مکانوں، باغوں اور خاندانی قبرستان کو بھی کھود ڈالا گیا۔ (۷۶) حکومت نے اس انتقامی کارروائی کے لیے عید کا دن منتخب کیا۔ (۷۷)

اندرون ملک، تحریک مجاہدین کے راہ نماؤں، کارکنوں، اور معاونین و مبلّغین کے خلاف حکومت کی سخت داروگیر، ان کے خلاف مقدمات کی بھرمار اور انہیں سخت ترین سزائیں دینے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ان لوگوں پر دہشت و خوف طاری ہو جائے اور وہ جہادی سرگرمیوں کو ترک کر دیں۔ حکومت کے تحریک مخالف اقدامات بے نتیجہ ہرگز نہ رہے بلکہ بڑے موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔ چنانچہ اندرون ملک، تحریک کا نظم برباد ہو گیا اور آزاد علاقے میں انگریزوں کے خلاف برسرِ پیکار بچے کھچے مجاہدین کو مالی اعانت اور آدمی بھیجنے کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ اس دوران میں بنگال اور بہار کے کتنے ہی خوش حال خاندان برباد کر دیے گئے، (۷۸) غرض یہ کہ ۱۸۶۳۔۱۸۷۱ء کی درمیانی مدت میں حکومت تحریک کو کچلنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکی تھی، اب ہندوستان میں حکومت کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا۔

(گزشتہ سے پیوستہ)

Ahmad, op.cit., 235-242

۷۵- مہر، مرجعِ سابق، ص ۲۱۳-۲۸۶؛ مہر، **جماعتِ مجاہدین**، ص ۲۲، ۵۹۔۶۰، مزید ملاحظہ ہو:
Ahmad, op.cit.,122-124

۷۶- مسعود عالم ندوی، مرجعِ سابق، ص ۱۲۶-۱۳۳، مزید دیکھیے:
Ahmad, op.cit., 218-221

۷۷- اکرام، مرجعِ سابق، ص ۵۴-۵۵

۷۸- سر عبدالرحیم، **خطبۂ صدارت آنریبل سر عبدالرحیم**، اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ علی گڑھ، ۱۹۲۵ء، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۱۲

کلکتہ اور شمالی ہند کے علما کے فتاویٰ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی اور انگریزی اقتدار کے استحکام، خصوصاً حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے سبب مسلمانوں کے بعض حلقوں میں اس احساس و شعور نے جنم لیا کہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا خاتمہ جہاد و قتال کے ذریعے کسی طور پر ممکن نہیں رہا۔ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد و مزاحمت کی تدبیر و اقدام اس غیر مسلم طاقت، جو جدید ترین سامان حرب، فوجی تنظیم اور مادی وسائل کے اعتبار سے مسلمانوں پر ہر درجہ سبقت و فوقیت رکھتی ہے، کی آتش انتقام کو بھڑکانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے قومی مفاد و مصلحت- ان کے جان ومال اور عزت و آبرو کے تحفظ اور حکومت کے غیض و غضب سے بچاؤ- کا تقاضا یہی ہے کہ جہاد و مزاحمت کا راستہ ترک کرکے انگریزی حکومت کے ساتھ خیر خواہی و وفاداری کا تعلق استوار اور اس کی اطاعت شعاری کا راستہ اختیار کیا جائے۔ سر سید احمد خان (۱۸۱۷۔۱۸۹۸ء) اور خان بہادر مولوی عبد اللطیف (۱۸۲۸۔۱۸۹۳ء) بانی محمڈن لٹریری اینڈ سائنٹفک سوسائٹی- کلکتہ اس خیال کے پُرجوش حامی و مبلغ بن کر سامنے آئے۔

مولوی عبد اللطیف ہندوستانی مسلمانوں کو ملکۂ معظمہ انگلستان کے خلاف جہاد کے شرعی فرض سے آزاد کرانے کو ضروری خیال کرتے تھے۔ اُن کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ ہندوستان کو دارالاسلام ثابت کیا جائے تاکہ انگریزی حکومت کے خلاف، اس کی اسلامی رعایا کے لیے جہاد کا خیال ناجائز ٹھہرے۔[۷۹] چنانچہ محمڈن لٹریری سوسائٹی کے اجلاسوں میں (جن میں کلکتہ شہر کے تعلیم یافتہ اور طبقۂ اشرافیہ کے افراد شریک ہوتے تھے۔ اس سوسائٹی کے ارکان میں ممتاز عالم دین اور سید احمد شہید کے جلیل القدر خلیفہ مولوی کرامت علی جون پوری (۱۸۰۰۔۱۸۷۳ء) کے علاوہ کلکتہ کے متعدّد دوسرے علما بھی شامل تھے۔ اس سوسائٹی کا ماہانہ اجلاس مولوی عبد اللطیف کے گھر پر (کلکتہ) میں ہوتا تھا، جس میں مختلف مسائل و موضوعات پر بحث و مباحثہ کے علاوہ اہل علم کے خطبات کا اہتمام ہوتا تھا)۔[۸۰] ۱۸۷۰ء کے دوران میں اسلام کے نظریہ و اصولِ جہاد پر آزادانہ بحث مباحثے کا آغاز ہوا، جس میں مجاہدین کے اصول و نظریۂ جہاد پر اعتراضات کیے گئے۔ مزید برآں سوسائٹی کے بانی مولوی عبد اللطیف نے چند

۷۹- عزیز احمد، **برّصغیر میں اسلامی جدیدیت**، مترجم: جمیل جالبی، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۷ء، ص ۴۲؛ مزید دیکھیے: Hardy, *The Muslims of British India*, 104

۸۰- ہنٹر، **ہمارے ہندوستانی مسلمان**، ص ۱۸۱

استفتا مرتب کر کے بنگال اور شمالی ہند کے علما کے علاوہ مکہ معظمہ کے مفتیوں کو ارسال کیے، جن کے استفسارات کچھ اس طرح کے تھے:

۱- ملکِ ہندوستان، جس کے حاکم عیسائی ہیں اور اسلام کے تمام احکامات میں مداخلت نہیں کرتے، مثلاً نماز پنج گانہ، جمعہ و عیدین کی نماز وغیرہ وغیرہ، مگر اسلام کے بعض احکام کو چھوڑ دیتے ہیں، مثلاً وہ اس شخص کو اپنے مسلمان آباو اجداد کی جائداد کا وارث قرار دیتے ہیں جو مرتد ہو گیا ہو اور عیسائی بن گیا ہو، کیا یہ ملک دارالاسلام ہے یا نہیں؟

۲- ہندوستان میں عیسائی حکومت کے خلاف جہاد جائز ہے کہ نہیں؟ یہ عیسائی حکومت جو اپنی مسلمان رعایا کے مذہبی فرائض میں مداخلت نہیں کرتی، مثلاً روزہ، حج، زکوۃ، نمازِ جمعہ و عیدین اور نماز باجماعت اور مسلمانوں کو ان فرائض کی ادائگی کی پوری پوری آزادی ہے۔ اس حکومت کے تحت مسلمانوں کو ویسی ہی امان حاصل ہے جیسے ایک مسلم حکومت کے تحت اسے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں مسلمان رعایا کے پاس نہ اپنے حاکموں کے خلاف لڑنے کی طاقت ہے اور نہ ان کے پاس آلاتِ حرب / ہتھیار ہیں، بر خلاف اس کے اگر لڑائی شروع کر دی جائے تو شکست ناگزیر ہے جس سے اسلام کی عزت کو نقصان پہنچے گا۔[۸۱]

محمڈن لٹریری سوسائٹی نے ان سوالات کے جواب میں متعدد فتاویٰ حاصل کیے اور ان کو یک جا ایک رسالے کی صورت میں شائع کر دیا۔[۸۲] ان میں سے متعدد فتاویٰ کو ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب **ہمارے ہندوستانی مسلمان**[۸۳] میں نقل کیا ہے۔

محمڈن لٹریری سوسائٹی کے استفتا کے جواب میں سب سے پہلے جولائی ۱۸۷۰ء میں شمالی ہند کے متعدد علما (مولوی محمد علی لکھنوی، مولوی عبدالحی (لکھنوی ۱۸۴۸۔۱۸۸۶ء)، مولوی فیض اللہ لکھنوی، مولوی محمد نعیم لکھنوی، مولوی رحمت اللہ لکھنوی، مولوی قطب الدین دہلوی، مولوی مفتی سعداللہ لکھنوی، مولوی لطف اللہ رام پوری اور مولوی غلام علی رام پوری) نے ایک فتویٰ جاری کیا(۷ اجولائی ۱۸۷۰ء)، جس کا متن حسبِ ذیل ہے:

۸۱- نفس مصدر، ص ۳۰۴-۳۰۷

۸۲- نفس مصدر، ص ۱۷۶

۸۳- کتاب کا انگریزی ٹائٹل ہے

W.W.Hunter, *Our Indian Musalmans: Are They Bound in Conscience to Rebel Against the Queen*? (London:1871)

اس جگہ [ہندوستان میں] مسلمان عیسائیوں کی امان میں ہیں اور اُس ملک میں جہاد واجب نہیں ہے جہاں اہل اسلام کو امان حاصل ہو۔ جہاد کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کو امان اور آزادی حاصل نہ ہو۔ لیکن یہاں یہ حالت نہیں۔ مزید برآں ضروری ہے کہ جہاد کیا جائے تو اُس میں مسلمانوں کی فتح اور اسلام کی برتری کا گمان غالب ہو۔ اگر اس قسم کے قیاس [گمان] کا امکان نہ ہو تو جہاد ناجائز ہے۔ (۸۴)

علماے فرنگی محل۔لکھنوٴ میں سے ابوالحسنات محمد عبدالحی (۱۸۴۸ـ۱۸۸۶ء) کا ہندوستان کی شرعی اور قانونی حیثیت کے بارے میں الگ سے ایک فتویٰ ان کے مجموعہ فتاویٰ میں بھی شامل ہے جس میں انہوں نے متقدمین علما کی کتبِ فقہ اور مجموعہ ہاے فتاویٰ: **خزان المفتين، بزازية، شرح زيادات** للعتابی، **طحاوي** اور **حاشية درِ مختار** وغیرہ کی عبارات نقل کرنے کے بعد (دارالحرب کی شرائط سے متعلق) لکھا ہے:

ان عبارات اور اُن کی امثال سے واضح ہے کہ دارالحرب ہونے میں دارالاسلام کی شرط یہ ہے کہ احکام کفر علی سبیل الاشتہار جاری ہوں اور احکام اسلام بالکل موقوف کر دیے جاویں اور شعارِ اسلام وضروریاتِ دین میں کفار مداخلت کرنے لگیں اور یہ شرط اتفاقی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے اس کے سوا اور بھی دو شرطیں زائد کیں، ایک یہ کہ اس بلد میں اور دارالحرب میں کوئی بلد، مملکت اہل اسلام کا باقی نہ رہے، دوسرے یہ کہ امان اوّل مرتفع ہو جائے اور بامان کفار نوبت اقامت کی آئی ہو اور یہ ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے۔ اس وجہ سے کہ شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت و ممانعت نہیں ہے اور اگرچہ قضاۃ کفار ہیں اور احکام خلاف اسلام جاری کرتے ہیں مگر بہت سے امور میں انقیاد فتاویٰ اہل اسلام کا بھی کرتے ہیں اور موافق شرع فیصلہ کرتے ہیں۔ پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہب امام [ابوحنیفہؒ] اور نہ بمذہب صاحبین۔۔۔ واللہ اعلم۔ (۸۵)

مولانا عبدالحی لکھنوی کی راے میں دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیلی سے متعلق امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں جو تین شرائط ہیں وہ برطانوی ہند میں مفقود تھیں، لہٰذا اس ملک میں انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کو انہوں نے ناجائز بتایا۔ (۸۶)

۸۴- ہنٹر، مصدر سابق، ص ۳۰۷-۳۰۸

۸۵- عبدالحی لکھنوی، **مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی** (اُردو کامل مُبوّب)، کراچی، محمد سعید اینڈ سنز، ۱۹۶۴ء، ص ۵۰۴

۸۶- ملاحظہ ہو: **مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی**، کان پور، ۱۳۷۳ھ / ۱۳۵۳ء، ج ۲، ص ۱۵۱ بہ حوالہ Hardy, op.cit., 114

مولانا کرامت علی جون پوری کا فتویٰ

کلکتہ کے علما نے بھی اپنے فتاویٰ میں شمالی ہند کے مذکورہ علما کی طرح ہندوستان کو دارالاِسلام ہی تصوّر کیا اور اس بنا پر انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کو ناجائز قرار دیا۔ ان فتاویٰ میں یہ ثابت کیا گیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر مذہباً انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کا کوئی فریضہ عائد نہیں ہوتا کیوں کہ ہندوستان بہ دستور دارالاِسلام ہے اور محض اس سبب سے ان کا ملکۂ معظمہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا ناجائز ہے۔[۸۷]

علماے بنگال میں سے مولوی کرامت علی جون پوری (۱۸۰۰-۱۸۷۳ء) نے، جو سید احمد شہید کے مرید اور ان کے جلیل القدر خلفا میں سے تھے،[۸۸] ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے نظریے کو انتہائی سختی سے رد کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے فرائضیوں (فرائضی تحریک کے خلفا اور کارکنوں) کو، ان کے انقلابی سیاسی نظریات خصوصاً ان کے تصور دارالحرب کی بنا پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور انہیں بنگال کے خوارج قرار دیا۔ مولانا کرامت علی نے فرائضیوں کے سیاسی نظریات کے رد میں متعدد رسالے اور اشتہار لکھ کر شائع کیے، نیز ان سے طویل مناظرے بھی کیے۔[۸۹] مولانا کرامت علی نے فرائضیوں کے اس نظریے کو سختی سے رد کیا کہ ہندوستان، برطانوی اقتدار کے تحت ''دارالحرب'' میں تبدیل ہو چکا ہے، اس کے برخلاف انہوں نے اسے دارالامان اور دارالاسلام قرار دیا۔[۹۰]

۸۷- ہنٹر، مرجعِ سابق، ص ۱۷۷-۱۷۹

۸۸- مولانا کرامت علی جون پوری (۱۸۰۰-۱۸۷۳ء) نے اٹھارہ سال کی عمر میں سید احمد سے بیعت کی اور ان کی طرف سے دعوت و تبلیغ پر مقرر ہوئے۔ چنانچہ پہلے جون پور میں تبلیغِ دین اور ردِّ بدعات و اصلاحِ رسوم کا کام انجام دیتے رہے پھر بنگال چلے گئے اور زندگی کے باقی ایام وہیں دعوت و تبلیغ میں بسر کیے۔ کم و بیش ۵۱ سال تک بنگال میں دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، جابجا درس گاہیں قائم کیں۔ بنگال میں اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی اصلاح کا کام اُن سے بڑھ کر کسی نے انجام نہیں دیا۔ ان کی دعوتی و تبلیغی مساعی کی بدولت لاکھوں افراد کو ہدایت نصیب ہوئی۔ مولانا کرامت علی کثیر التصانیف عالم تھے۔ حدیث، فقہ و کلام اور دیگر اسلامی موضوعات پر ان سے عربی، فارسی اور اردو میں ۵۵ سے زائد تصانیف یادگار ہیں۔ **مفتاح الجنۃ** اردو میں فقہ پر اُن کی مشہور کتاب ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی، **حیاتِ شبلی**، اعظم گڑھ: دارُالمصنفین، ۲۰۰۶ء، ص ۴۳؛ محمد اسحاق بھٹی، **فقہائے پاک و ہند**، لاہور، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ج ۳، ص ۱۴۵-۱۴۸؛ مہر، **جماعتِ مجاہدین**، ص ۳۹۳؛ سید ابوالحسن علی ندوی، **سیرت سید احمد شہید**، ج ۲، ص ۵۲۲؛ ابوالحسن علی ندوی، **کاروانِ ایمان و عزیمت**، کراچی: مجلس نشریات اسلام، س۔ن، ص ۱۱۱-۱۱۸؛ آفاق فاخری، ''مولانا کرامت علی جون پوری''، **معارف** (اعظم گڑھ)، ج ۶، ش ۱۷۹، (جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ / جون ۲۰۰۷ء)، ص ۴۵۲-۴۶۰

۸۹- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جاری)

مولانا کرامت علی نے ایک فتویٰ بھی جاری کیا جس میں ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا اور انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کو ناجائز۔[۹۱] مولانا کرامت علی نے اس فتوے کا اعلان ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کو محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ کے ایک اجلاس میں اپنے خطبے (لیکچر) میں کیا۔ اس خطبے میں، جس کا عنوان تھا۔ "ہندوستان میں از روے شریعت مسلمانوں پر حاکم قوم کی طرف سے کیا فرائض عائد ہوتے ہیں"[۹۲]، انہوں نے "فرائضی تحریک کے نظریہ دار الحرب کا رد کیا، جس کے مطابق ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے تحت جمعہ اور عیدین کی نمازیں معطل قرار پاتی تھیں"۔[۹۳] مولانا نے اپنے خطبے میں پُر زور انداز میں کہا:

> ہندوستان دارالاسلام ہے۔۔۔ لہٰذا جہاد انگریزی حکومت کے خلاف جائز نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ امام ابو حنیفہ نے دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیلی کے جو تین شرائط بیان کیے ہیں وہ اس ملک میں مفقود ہیں۔ ہندوستان میں نکاح، طلاق، نان ونفقہ اور وراثت سے متعلق اسلامی احکام انگریزی اقتدار کے تحت بھی نافذ العمل ہیں اور مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے، جب کہ ہندوستان کے شمال مغرب کی طرف واقع ممالک بھی مسلمانوں کے ہیں۔[۹۴]

مولانا کرامت علی نے اپنے فتوے میں مزید کہا:

ہندوستان دارالاسلام ہے۔۔۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ملک میں جہاد جائز ہے یا نہیں؟ لیکن اس کو پہلے سوال کے ساتھ حل کر دیا گیا ہے، کیوں کہ دارالاسلام میں جہاد کی کسی حالت میں بھی اجازت نہیں ہے۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس کی تائید کے لیے کوئی دلیل یا مثال پیش کرنا ضروری نہیں۔ اب اگر کوئی گم کردہ راہ مجنوں اپنی الٹی قسمت کی وجہ سے ملک ہندوستان کے انگریز حاکموں کے خلاف جنگ شروع کر دے تو اس قسم کی جنگ کو بغاوت

(گزشتہ سے پیوستہ)

Moin-ud-Din Ahmad Khan, *History of the Fara'idi Movement in Bengal*, 1818-1906 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1965), Chap. Vii, 89-103

90 - Ibid., 98-99

۹۱- ہنٹر، **ہمارے ہندوستانی مسلمان**، ص ۱۶۹-۱۷۷

۹۲- نفس مرجع، ص ۱۷۷

93 - Hardy, op.cit., 3

مزید دیکھیے:

Abstract of the Proceedings of the Mahomedan Literary Society Calcutta, at a meeting held on 23rd November, 1870 : Lecture by Moulvie Karamat Ali (Calcutta: Mohammadan Literary & Scientific Society, 1871), 2-5

۹۴- ہنٹر، مرجع سابق، ص ۳۰۷-۳۰۸

تصور کیا جائے گا اور بغاوت فقہ اسلامی [شرع اسلامی] میں سخت منع ہے، اس لیے جنگ بھی ناجائز ہو گی۔ اگر کوئی شخص کسی حالت میں بھی ایسی جنگ کرے گا، تو مسلمان اپنے حاکموں کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں گے اور اُن کے ساتھ مل کر باغیوں کا مقابلہ کریں گے۔ مندرجہ بالا امر صریح طور پر **فتاویٰ عالمگیری** میں موجود ہے۔[۹۵]

یہ فتویٰ اس اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا کہ یہ ہندوستان میں تحریکِ جہاد کے بانی قائد سید احمد شہید کے ایک نامور اور جلیل القدر خلیفہ نے جاری کیا تھا۔ چنانچہ اس فتوے کو بنگال و آسام وغیرہ میں نسبتاً زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

فتاویٰ میں انگریز حکام کی دلچسپی

ہندوستان میں برطانوی حکام اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ اس ملک میں انیسویں صدی کے تیسرے عشرے سے انگریزی حکومت کے خاتمے کی غرض سے جاری جہاد و مزاحمت کی تحریک اور خصوصاً جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو تیز کرنے میں علما کے فتاویٰ نے انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ علما کے فتاویٰ کے زیرِ اثر مسلم عوام انگریزی اقتدار کے تحت اس ملک کو دارالحرب تصور کرتے رہے اور اس کو غیر مسلم و غیر ملکی تسلط سے آزاد کرانے کے لیے جہاد و مزاحمت کو ایک اہم شرعی فریضہ خیال کرتے رہے۔ دراصل مسلم عوام نے علما کے فتاویٰ کو کھلے دل سے تسلیم کیا تھا۔ چنانچہ وائسرائے ہند لارڈ میو نے بھی ۱۸۷۰ء کے دوران میں (محمڈن لٹریری سوسائٹی کی طرف سے مذکورہ فتاویٰ کی اشاعت کے بعد) ہندوستان کے بعض علما کو ایک ایسا فتویٰ جاری کرنے کی تحریک کی جس میں ہندوستان کو دارالاسلام قرار دے کر اس میں جہاد کو ناجائز قرار دیا گیا ہو۔[۹۶] لارڈ میو نے اس سے اگلے سال ۳۱ مئی ۱۸۷۱ء کو بنگال میں سول انتظامیہ کے ایک اہل کار سر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر (Sir William Wilson Hunter) کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ اس وقت کے اہم ترین مسئلے "کیا مسلمانوں پر اپنے دین و شریعت / مذہب و عقیدہ کے رُو سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ملکۂ معظمہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کریں"؟ کے بارے میں ایک رپورٹ مرتب کرے۔[۹۷] چنانچہ ہنٹر نے ۱۸۷۱ء میں ایک کتاب **ہمارے ہندوستانی مسلمان:**

---

95 - Hardy, *The Muslims of British India* 110; Rudolph Peters, *Islam and Colonialism: The Doctrine of Jihad in Modern History* (New York: Mouton Publishers, 1979), 51

96 - Hardy, op.cit., 110

97 - "Are Musalmans bound by their religion to rebel against the Queen"? See: Hardy, op.cit., 85

کیا وہ اپنے ضمیر [ایمان و عقیدہ] کے مطابق ملکہ معظمہ کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہیں؟ کے نام [۹۸] سے لکھی، جو اسی سال شائع ہوئی۔ ہنٹر نے اس کتاب میں اگرچہ محمڈن لٹریری سوسائٹی اور خصوصاً اس کے بانی کی طرف سے ہندوستان کے دارالاسلام ہونے اور اس میں جہاد کی ممانعت سے متعلق کلکتہ، شمالی ہند اور مکہ مکرّمہ کے علما کے فتاویٰ کی اشاعت کو قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا، تاہم اس نے ان فتاویٰ کے مفتیوں کی سچائی اور اخلاص کو شک و شبہہ کی نگاہ سے دیکھا [۹۹] اور اس امر کا دعویٰ کیا کہ اسلام ضرور بالضرور ایک سیاسی مذہب ہے جو اپنے پیرووں کو کفار کی حکومت کے خلاف بغاوت پر اکساتا ہے، چنانچہ اسلام ہی ہندوستان میں بد امنی اور بغاوت و سرکشی کا ذمہ دار ہے۔ [۱۰۰]

ہنٹر نے اس کتاب میں اپنی دانست میں یہ ثابت کیا تھا کہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو انگریزی حکومت سے لڑنا اور جہاد کرنا اپنا فرض مذہبی سمجھتی ہے اور حکومت کی کسی طرح وفادار اور خیر خواہ نہیں بن سکتی، نیز وہابیت اور بغاوت مترادف الفاظ ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان اب بھی اس ملک میں انگریزی حکومت کے لیے موجبِ خطر ہیں، جیسے کہ ایک مدت سے موجبِ خطر چلے آرہے تھے، چنانچہ اس حکومت کو ان کی طرف سے مطمئن اور بے فکر نہیں رہنا چاہیے؛ کیوں کہ وہ حکومت کے لیے مستقل خطرہ ہیں۔ [۱۰۱] ہنٹر نے اس کتاب کے تیسرے باب کے خاتمے پر لکھا تھا: ”مجھ کو ہندوستان کے مسلمانوں سے دلی خیر خواہی اور محبت و وفاداری کی ہرگز توقع نہیں ہے، بلکہ میں ان سے بڑی امید یہی کر سکتا ہوں کہ وہ حکومتِ انگریزی کے قبول کرنے میں سرد مہری کا رویہ اختیار کریں گے“۔ [۱۰۲]

ہنٹر نے خاص طور سے اس کتاب میں شاہ عبد العزیز دہلوی اور ان کے خلفا کے مسئلۂ دارالحرب سے متعلق فتاویٰ نیز ائمہ متقدّمین کی مسئلۂ دارالحرب سے متعلق آرا نقل کرنے کے بعد بڑی شدّ و مد سے یہ ثابت کیا کہ شریعت اسلامی کی رُو سے ہندوستان بہ ہر حال دارالحرب بن چکا ہے اور یہاں کے ہر مسلمان مرد و عورت کا پہلا شرعی فرض ہے کہ وہ کافر حکم رانوں کی بیخ کنی کرے، یعنی وہ کافر حکومت کے خلاف جہاد کرے، چنانچہ کوئی بھی صادق و مخلص مسلمان غیر مسلم انگریزی حکومت کا بہ رضا و رغبت، خیر خواہ و وفادار اور اطاعت گزار نہیں ہو سکتا۔ کتاب لکھتے وقت ہنٹر کے پیش نظر تحریکِ مجاہدین (جسے وہ وہابیوں کی تحریک کے نام سے ذکر کرتا ہے) تھی، جس کو

98 - W.W. Hunter, *Our Indian Musalmans: Are they Bound in conscience to Rebel Against the Queen ?*

99 - Hardy, *The Muslims of British India*, 110

100 - Ibid, 108

۱۰۱- حالی، **حیات جاوید**، ص ۱۷۶-۱۷۷

۱۰۲- ہنٹر، مرجعِ سابق، ص ۲۰۷-۲۰۸؛ حالیؔ، مصدر سابق ۲، ص ۱۸۳

اُس نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کے لیے اُمّ المسائل قرار دیا۔ ہنٹر کی اس کتاب کا اہم ترین پہلو یہی تھا کہ اس میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک کے راہ نماؤں، کارکنوں اور معاونین کو "وہابی" قرار دے کر انہیں مفسدین اور باغیوں کے زمرے میں لا کھڑا کیا گیا۔(۱۰۳)

ہنٹر نے اس کتاب کے تیسرے باب کے خاتمے پر انگریز حکام (وائسرائے لارڈ میو) کو سفارش پیش کی کہ مسلمانوں کی وفاداری کو آزمانے کے لیے حکومت کی طرف سے علمائے اسلام کے سامنے درج ذیل سوال / استفتا قطعی اور دوٹوک انداز میں پیش کرنا چاہیے تاکہ اس اہم مسئلے کے بارے میں ان کی سوچ اور فکر کا اندازہ ہوسکے۔

استفتا/ سوال: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ اگر کوئی مسلمان بادشاہ / حکمران ہندوستان پر ایسے وقت میں حملہ آور ہو جب کہ وہ انگریزوں کے قبضہ میں ہو تو کیا اس ملک کے مسلمانوں کو حکومت انگریزی کی امان ترک کرنی اور اس غنیم کو مدد دینی جائز ہے کہ نہیں"۔ (۱۰۴)

ہنٹر نے یہ کتاب لکھ کر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے حکومت کو بدگمان اور غیر مطمئن کرنا چاہا تھا۔ اُس نے تحریکِ مجاہدین اور عام مسلمانوں کے متعلق اس قسم کی باتیں کہیں جن سے مسلمانوں کے بارے میں بالعموم اور مجاہدین اور ان کے معاونین (وہابیوں) کے بارے میں بالخصوص حکومت کی بدگمانی اور غلط فہمی اور اس کے نتیجہ میں مُنتقمانہ و جارحانہ پالیسیاں اختیار کرنے کا امکان بہت زیادہ بڑھ گیا(۱۰۵)۔ چنانچہ ہنٹر کی اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی ہندوستان کی شرعی حیثیت اور غیر مسلم متسلط حکومت کے ساتھ اس کی مسلم رعایا کے روابط کی شرعی حیثیت کے بارے میں بحث مباحثے اور فتاویٰ کا سلسلہ پھر سے چل نکلا۔

سر سید احمد خان کا مسلک

سر سید احمد خان نے ہنٹر کی کتاب کے جواب میں اپنی تحریروں خصوصاً ہنٹر کی کتاب پر ریویو میں بہ تکرار یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ "گورنمنٹ کی بدخواہی اور بغاوت جرم ہے۔ جو شخص بھی اس جرم کا مرتکب ہوگا خواہ وہ وہابی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا مسلمان یا اور کوئی مذہب والا۔ بلاخیال مذہب کے مجرم قرار پائے گا"۔(۱۰۶) سر سید

۱۰۳- تفصیل کے لیے دیکھیے: ہنٹر، مرجع سابق، خصوصاً باب سوم، "مسلمان علما کے فتوے"، ص۱۵۷-۲۰۸

۱۰۴- نفس مرجع، ص ۲۰۸

۱۰۵- سید معین الحق (مرتب)، مقدمہ، مشمولہ **سر سید احمد خان، سرکشی ضلع بجنور**، کراچی، سلمان اکیڈمی، ۱۹۶۲ء، ص ۸۳

۱۰۶- حالیؔ، مصدرِ سابق، ص۱۷۸

احمد خان نے جہاد کے مسئلے کی حقیقت کے متعلق بتایا کہ: ''جو مسلمان انگریزی گورنمنٹ کی رعایا اور مستامن ہیں اور اپنے فرائض مذہبی بلامزاحمت ادا کرتے ہیں وہ شریعت اسلام کی رُو سے بہ مقابلہ انگریزوں کے نہ جہاد کر سکتے ہیں نہ بغاوت نہ اور کسی قسم کا فساد۔ اُن کو ہندوستان میں انگریزی گورنمنٹ کے زیرِ حکومت اسی اطاعت و فرمان برداری سے ازروے مذہب اسلام کے رہنا واجب ہے جیسا کہ ہجرت اولیٰ میں مسلمان حبش میں جا کر عیسائی بادشاہ کے زیر حکومت رہے تھے''۔(۱۰۷) سر سید نے اپنی مذکورہ تحریر میں دارالاسلام اور دارالحرب سے متعلق ہنٹر کے اٹھائے ہوئے سوال / استفتا(۱۰۸) کے جواب میں اُصولِ اسلام کی رُو سے جو لکھا اُس کا ماحصل یہ ہے کہ ''جب تک مذہبی معاملات میں ہم [مسلمانوں] کو ہر قسم کی آزادی ہندوستان میں حاصل ہے، اپنے مذہبی فرائض بے کھٹکے ادا کرتے ہیں... اُس وقت تک انگریزی امان سے علاحدہ ہونا اور غنیم کو مدد دینا کسی مسلمان کا مذہبی فرض نہیں ہے اور اگر مسلمان ایسا کریں تو وہ گناہ گار خیال کیے جائیں گے، کیوں کہ اُن کا یہ فعل اس پاک معاہدہ کا توڑنا ہوگا جو رعایا اور حکام کے درمیان ہے اور جس کی پابندی مرتے دم تک کرنا مسلمانوں پر فرض ہے''۔(۱۰۹)

سر سید احمد خان نے اپنی تحریروں میں بہ تکرار اور پُرزور انداز میں ہندوستان کو دارالحرب کے بجاے دارالامان قرار دیا اور ازروے شریعت انگریزی حکومت کی خیر خواہی و وفاداری اور اس کی اطاعت کو مسلمانوں پر فرض بتایا۔ سر سید نے بڑی شدّومد سے مسلمانوں کی طرف سے انگریزی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی کسی بھی قسم کی تدبیر اور کوشش کو ناجائز اور حرام ٹھہرایا۔ اس سلسلے میں سر سید احمد خاں کے چند ارشاد حسب ذیل ہیں:

اسلام فساد اور دغا اور غدر و بغاوت کی اجازت نہیں دیتا، جس نے اس کو امن دیا ہو مسلمان ہو یا کافر، اس کی اطاعت اور احسان مندی کی ہدایت کرتا ہے۔(۱۱۰)

۱۰۷- حالیؔ، نفس مصدر، ص ۱۷۸

۱۰۸- ہنٹر نے اپنی کتاب **ہمارے ہندوستانی مسلمان** کے تیسرے باب کے خاتمے پر مندرجہ ذیل سوال بہ طور استفتا لکھا تھا:
اے علما و محققانِ شرعِ اسلام! تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے کہ اگر کوئی مسلمان بادشاہ ہندوستان پر ایسے وقت میں حملہ کرے جب کہ وہ انگریزوں کے قبضے میں ہو تو اس ملک کے مسلمانوں کو انگریزوں کی امان ترک کرنی اور اُس غنیم کی مدد دینی جائز ہے یا نہیں؟'' ملاحظہ ہو: ہنٹر، **ہمارے ہندوستانی مسلمان**، ص ۲۰۸

۱۰۹- حالی، مصدر سابق، ص ۱۸۴

۱۱۰- سید احمد خان، **تفسیر القرآن**، علی گڑھ، انسٹی ٹیوٹ پریس، ۱۸۸۰ء، ج۱، ص ۲۳۸

- جس وقت تک مسلمان کامل امن و امان کے ساتھ خدا کی وحدانیت کا وعظ کہہ سکیں اس وقت تک کسی مسلمان کے نزدیک اپنے مذہب کی رُو سے اس ملک کے بادشاہوں پر جہاد کرنا جائز نہیں خواہ وہ کسی قوم کے کیوں نہ ہوں۔(۱۱۱)
- جب تک کوئی کافر بادشاہ مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی نہ کرے اس وقت تک اس کافر کی بھی اطاعت کرنا فرض ہے۔(۱۱۲)
- جس حاکم کی عمل داری میں جو بہ طور رعیّت ہو کر اس کے امن میں رہتے ہیں، ان حاکموں سے مقابلہ کرنا بغاوت ہے نہ کہ جہاد۔(۱۱۳)
- اگر خدا کے حکم سے ہم کسی ایسی قوم کے مفتوح ہو جائیں جو ہم کو مذہبی آزادی دیتی ہے، انصاف سے ہم پر حکم رانی کرتی ہے، ملک میں امن قائم رکھتی ہے اور ہماری جان و مال کو محفوظ رکھتی ہے، جیسا کہ انگریزی سلطنت ہندوستان میں کرتی ہے، تو اس حالت میں ہم کو اس کا تابع دار اور خیر خواہ رہنا چاہیے۔(۱۱۴)
- ہمارا مذہبی فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے خیر خواہ اور وفادار رہیں اور کوئی بات قولاً و فعلاً ایسی نہ کریں جو گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی اور وفاداری کے بر خلاف ہو۔(۱۱۵)
- ہمارا مذہبی فرض ہے کہ ہم حضرت ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کی اطاعت دل و جان سے کریں اور اس کی دولت اور حکومت کی درازی اور قیام و استحکام کی دعا کرتے رہیں۔(۱۱۶) ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ اس کی اطاعت اور فرمان برداری اور

۱۱۱- سید احمد خان، "ریویو ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر"، بنارس، میڈیکل ہال پریس، ۱۸۷۲ء، ص۸۶۔ بحوالہ ضیاء الدین لاہوری (مرتب)، **خود نوشت افکار سرسید**، لاہور، جمعیت پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص۲۲۳

۱۱۲- سید احمد خان، حوالہ بالا، ص۱۱۔ بہ حوالہ ضیاء الدین لاہوری (مرتب)، نفس مصدر، ص۲۲۴۔

۱۱۳- سید احمد خان، **لائل محمڈنز آف انڈیا**، میرٹھ، ۱۸۶۰-۱۸۶۱ء، ج۱، ص۱۸۶

۱۱۴- شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب)، **مکتوباتِ سرسید**، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۵۹ء، ص۱۸۸

۱۱۵- امام الدین گجراتی (مرتب)، **آخری مضامین**، لاہور، رفاہ عام پریس، ۱۸۹۸ء، ص۱۰۱

۱۱۶- امام الدین گجراتی (مرتب)، **مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز سرسید**، لاہور مصطفائی پریس، ۱۹۰۰ء، ص۵۷۳

پوری وفاداری اور نمک حلالی، جس کے سایۂ عاطفت میں ہم امن و امان سے زندگی بسر کرتے ہیں، خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔[۱۱۷]

- مسلمانوں کے مذہب کے بہ موجب ہماری گورنمنٹ کی عمل داری میں جہاد نہیں ہو سکتا کیوں کہ ہم تمام مسلمان ہندوستان کے برٹش گورنمنٹ کے امن میں ہیں اور مستامن ان لوگوں پر جن کے امن میں ہے، جہاد نہیں کر سکتا۔[۱۱۸]
- کسی مسلمان کو ایسے منصوبوں میں شریک ہونا حلال نہ ہو گا جن کی بنا اس ارادے پر ہو کہ گورنمنٹ انگریزی کو تہ و بالا کر دیں۔[۱۱۹]
- مسلمانانِ ہند کو اپنے حکام پر جہاد کرنا حلال نہیں، بلکہ وہ ایک قسم کی بغاوت ہے، اور جو کوتاہ اندیش اس میں شریک ہوں وہ اپنے مذہب کے بہ موجب سزائے قتل کے سزاوار ہیں، اور اگر ایسے لوگوں کی نسبت مجھ سے کوئی رائے دریافت کرے تو ثبوتِ جرم کے بعد بہ موجبِ شرع محمدیہ کے میں بھی یہی حکم دوں گا۔[۱۲۰]

سرسید احمد خان کے ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ انگریزی حکومت پر جہاد کی حرمت و ممانعت کے قائل تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کو فتنہ و بغاوت تصور کرتے تھے۔ سرسید کے ان خیالات نے علی گڑھ کے حلقہ کو گہرے طور سے متاثر کیا۔

اہلِ حدیث علما کے فتاویٰ

ہنٹر کی کتاب کی اشاعت کے بعد جہاد کی مخالفت و ممانعت میں علمائے برِّعظیم پاک و ہند کے جو فتاویٰ منظر عام پر آئے، ان میں علمائے اہل حدیث کے سرخیل شیخ الکل سید محمد نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰۔۱۳۲۰ھ / ۱۸۰۵-۱۹۰۲ء) اور ان کے تلمیذ خاص مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶۔۱۳۳۸ھ / ۱۸۴۱ء-۱۹۱۹ء) اور نواب سید صدیق حسن خان قنوجی (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ / ۱۸۳۲۔۱۸۹۰ء) کے فتاویٰ بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۱۷- **روداد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس** (اجلاس نہم)، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۸۹۵ء، ص ۱۶۹

۱۱۸- سرسید احمد خان، **لائل محمڈنز**، ج ۲، ص ۱۳

۱۱۹- مشتاق حسین (مرتب)، **مکاتیب سرسید احمد خان**، دہلی، یونین پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۰ء،، ص ۶۵

۱۲۰- **علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ**، ۲۸/ اپریل، ۱۸۷۱ء، ص ۲۳۹ بہ حوالہ ضیاء الدین لاہوری (مرتب)، **خود نوشت افکارِ سرسید**، ص ۲۳۹

مولاناسید نذیر حسین محدّث دہلوی

علماے اہل حدیث کے سرخیل مولانا سید نذیر حسین دہلوی (۱۸۰۵ـ۱۹۰۲ء) کا شمار اگرچہ ان علما میں سے ہوتا ہے جنہوں نے جنگ آزادی کے دوران میں (جولائی ۱۸۵۷ء) دارالسّلطنت دہلی میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے حق میں فتویٰ پر دستخط کیے تھے۔[۱۲۱] تاہم وہ اس جنگ آزادی کو جہاد نہیں بلکہ "ہُلّڑ" سمجھتے تھے، کیوں کہ اس میں شرائط جہاد و امارت بالکل مفقود تھیں۔[۱۲۲] دراصل مولانا نذیر حسین ہندوستان کو دارالحرب کے بجاے دارُالاسلام اور دارالامان تصور کرتے تھے[۱۲۳] چنانچہ وہ یہاں کے انگریز حکم رانوں کے خلاف جہاد کے مخالف تھے اور ان سے لڑنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔[۱۲۴] سید نذیر حسین نے ۱۸۷۴ء کے لگ بھگ ہندوستان کے دارالاسلام ہونے اور شرائطِ جہاد کے مفقود ہونے کے سبب، جہاد کی ممانعت و مخالفت میں متعدد فتاویٰ جاری کیے۔ انہوں نے دوٹوک اور قطعی انداز میں اپنے فتاویٰ میں انگریزی حکومت کے تحت اس ملک کو دارالاسلام قرار دیا اور اس مسئلے میں اہل حدیث ہونے کے باوجود امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی پیروی کی۔ وہ دارالحرب سے متعلق سوال: "ہندوستان دارالحرب ہے علی التحقیق یا نہیں؟" کے جواب میں فرماتے ہیں:

> واضح ہو کہ کتبِ فقہِ حنفیہ میں مذکور ہے کہ دارالحرب دارالاسلام ہو جاتا ہے احکام اسلام کے جاری کرنے سے اس میں، جیسے نماز جمعہ و عید بطریق شہرت و اعلان کے ساتھ ادا کرنا، اور حال ہندوستان و بنگالہ کا یہی ہے، پھر کیوں کر ہندوستان و بنگالہ دارالحرب ہو گا اور یہی مذہب امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ اور جب تک احکام اسلام جاری و باقی رہیں گے، دارالاسلام دارالحرب ہرگز نہ ہو گا اور اکثر مشائخ حنفیہ نے اس کو بدلیل قوی و محکم کیا ہے۔ چنانچہ **تنویر الأبصار و الدّر المختار وطحاوی وفصول عمادی** وغیرہ میں مذکور ہے...

121 - Bashir Ahmad Khan, "The Shifting Paradigms of the Ahl-i Hadith Revivalists vis-a-vis the British Rule", *Islam and the Modern Age* (Aligarh), xxxv:1 (2005), 110

۱۲۲- تاہم محمد ایوب قادری کی راے میں مولانا سید نذیر حسین نے بعض دوسرے علما کی طرح اس فتواے جہاد پر دستخط بہ رضا و رغبت نہیں بلکہ جہادیوں کے دباؤ اور ان کے ڈر اور خوف کے سبب سے کیے تھے۔ ملاحظہ ہو: **جنگ آزادی ۱۸۵۷ء**، ص ۴۰۹-۴۱۶

۱۲۳- مولانا فضل حسین بہاری، **الحیاۃ بعد المماۃ: سوانح حیات حضرت الامام سید محمد نذیر حسین مرحوم محدث دہلوی** سانگلہ ہل-ضلع شیخوپورہ: المکتبۃ الاثریہ، ۱۹۸۴ء، ص ۷۶

۱۲۴- نفس مرجع، ص ۸۰

پس تحریر کتب معتبرہ بالا سے صاف واضح ہوا کہ جب تک تلاوت قرآن شریف ووعظ ونصیحت ودعوت اسلام وادائے جمعہ وعید بر ملا واشتہارِ عام واعلان تمام پایا جائے گا ہندوستان میں، تو وہ بہ دستور دارالاسلام رہے گا، دارالحرب نہ ہو گا۔ (۱۲۵)

سید نذیر حسین نے دارالحرب میں سود کے لین دین سے متعلق ایک سوال کے جواب میں بھی ہندوستان کو دارالاسلام ہی قرار دیا۔ ذیل میں اس فتوے کا ایک حصہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

اور ہندوستان شرقاً وغرباً موافق شروطِ قرار دادہ امام صاحب کے دارالحرب نہیں ہے۔۔۔۔۔ملک ہندوستان رنگون سے لے کر پشاور تک ہر گز دارالحرب نہیں مطابق امام صاحب کے، اس لیے کہ موافق تحقیق اور تنقیح علمائے متأخرینِ حنفیہ کے دارالحرب کی تعریف نزدیک امام صاحب کے یہ ہے کہ جب کہ کوئی شعائر اسلام کے مثل نماز جمعہ و جماعت علی الاعلان اور پڑھنا قرآن مجید کا بر ملا پایا نہ جاوے، بلکہ تمام شعائر اسلام کے موقوف ہو جاویں تو اس صورت میں دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے۔ اور جب تک ایک سبب بھی شعائر اسلام کا موجود ہو گا تو دارالحرب متحقق نہ ہو گا، جیسا کہ **فصول عمادی وطحاوی** وغیرہ میں مذکور ہے۔ (۱۲۶)

سید نذیر حسین نے اپنے فتاویٰ میں ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کو ناجائز اور مسلمانوں کے لیے موجب ہلاکت و معصیت قرار دیا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی ملک میں غیر مسلموں کے خلاف جہاد کی حلت و اجازت کے لیے دو امور لابدی ہیں: ”ایک فقدانِ امن و امان و عہد و پیمان درمیانِ اہل اسلام و مقابلین کے“، دوم ”وجدانِ شوکت و قوت و قدرت سلاح و آلات حرب پر“۔ مولانا سید نذیر حسین کی رائے میں ہندوستان میں یہ دونوں شرائط مفقود تھیں۔ کیوں کہ اس ملک میں انگریزی حکومت کے تحت مسلمانوں کو امان حاصل تھی اور مسلمان اس حکومت کے معاہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ پھر مسلمان انگریزوں کی عسکری قوت و طاقت کے مقابلے کے لیے مطلوبہ جنگی استعداد، ضروری وسائل اور خاص طور سے سامانِ حرب بھی نہ رکھتے تھے، جس کے باعث انگریزوں کے خلاف جہاد ان کے حق میں ہلاکت و بربادی اور معصیت کا سبب بن گیا تھا۔ سید نذیر حسین اس سلسلے میں ایک سوال: ”کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہندوستان میں جہاد جائز ہے کہ نہیں؟“ کے جواب میں کہتے ہیں:

اربابِ شریعت غراء پر مخفی نہیں کہ شرائط مباح جہاد کے واسطے دوامر لابدی ہیں، ایک فقدانِ امن و امان و عہد و پیمان درمیان اہلِ اسلام و مقابلین کے، دوم وجدان شوکت و قوت و قدرت سلاح و آلات جہاد پر۔ اور ہندوستان میں شوکت و

۱۲۵- بہاری، مرجع سابق، ص ۷۶

۱۲۶- مولانا سید نذیر حسین دہلوی، **فتاویٰ نذیریہ** (مبوّب مترجم)، لاہور: اہل حدیث اکادمی، ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۱ء، ج ۲، ص-۱۹۳

قوت اور قدرتِ سلاح و آلات مفقود ہے اور ایمان وپیماں [امان وپیمان] یہاں موجود ہے۔ پس جب کہ شرطِ جہاد اس ملک میں معدوم ہوئی، تو جہاد کرنا یہاں سبب ہلاکت اور معصیت کا ہو گا۔ (۱۲۷)

مولانا سید نذیر حسین نے ایک دوسرے فتوے میں شرائط جہاد کو زیادہ وضاحت و صراحت سے بیان کیا ہے اور بتایا ہے جب تک یہ شرطیں نہ پائی جائیں گی جہاد نہ ہو گا، یہ شرطیں حسب ذیل ہیں:

- اوّل یہ کہ مسلمانوں کا کوئی امام و سردار ہو… جہاد بغیر امام کے نہیں۔ جہاد امام کے پیچھے ہو کے کرنا چاہیے بغیر امام کے نہیں۔
- دوسری شرط یہ ہے کہ اسباب لڑائی کا، مثل ہتھیار وغیرہ کے، مہیا ہو جس سے کفار کا مقابلہ کیا جاوے۔
- تیسری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی قلعہ یا ملک جائے امن ہو کہ ان کا ماوٰی و ملجا ہو… اور حضرت ﷺ نے جب تک مدینہ میں ہجرت نہ کی اور مدینہ جاے پناہ نہ ہوا جہاد فرض نہ ہوا۔ یہ صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ جاے امن ہونا بہت ضروری ہے۔
- چوتھی شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کا لشکر اتنا ہو کہ کفار کے مقابلہ میں مقابلہ کر سکتا ہو، یعنی کفار کے لشکر کے آدھے سے کم نہ ہو۔ (۱۲۸)

سید نذیر حسین دہلوی نے اس فتوے میں بھی اسی راے کا اظہار کیا کہ موجودہ زمانے (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد) میں جہاد کی مذکورہ شرائط میں سے کوئی شرط بھی نہیں پائی جاتی، لہٰذا انگریزی حکومت کے خلاف جہاد نہیں ہو سکتا۔ مولانا انگریزوں کے خلاف جہاد کو اس لیے بھی ناروا و ناجائز کہتے تھے کہ وہ اس ملک کے مسلمانوں کو معاہد خیال کرتے تھے کہ جنہوں نے ان کی دانست میں حکومت سے عہد کیا تھا، لہٰذا وہ اس عہد کے خلاف نہیں کر سکتے تھے؛ سید نذیر حسین رقم طراز ہیں:

> میں کہتا ہوں اس زمانہ میں ان چاروں شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں ہے، تو کیونکر جہاد ہو گا، ہر گز نہیں ہو گا۔ علاوہ بریں ہم لوگ معاہد ہیں سرکار سے عہد کیا ہے، پھر کیونکر عہد کے خلاف کر سکتے ہیں۔ عہد شکنی کی بہت مذمت حدیث میں آئی ہے۔ (۱۲۹)

۱۲۷- نذیر حسین دہلوی، مصدر سابق، ج ۲، ص ۱۹۴-۱۹۵

۱۲۸- نفس مصدر، ج ۲، ص ۲۸۴-۲۸۵

۱۲۹- نذیر حسین دہلوی، مصدر سابق، ج ۳، ص ۲۸۳-۲۸۴۔ شرائط جہاد اور ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی مخالفت و ممانعت سے متعلق مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے خیالات کے جائزے کے لیے ملاحظہ ہو:
Bashir Ahmad Khan, op.cit., 113-114

شرائط جہاد اور ہندوستان میں جہاد کی حرمت سے متعلق سید نذیر حسین کے اس فتوے کی تائید علما کی ایک جماعت نے کی۔ چنانچہ اس فتوے پر سید نذیر حسین کے علاوہ چودہ علما کے دستخط بھی ثبت ہیں (۱۳۰)۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کا فتویٰ بسلسلہ ممانعتِ جہاد

علمائے اہلِ حدیث میں سے مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ-۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) نے سرسید احمد خان کی طرح انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کی مخالفت بڑی شدّومد سے کی اور اس کے ساتھ خیرخواہانہ ووفادارانہ تعلق اور اُس کی اطاعت کی پرزور طریقے پر وکالت کی۔ مولوی محمد حسین نے اس سلسلے میں ۱۸۷۵ء میں ایک فتویٰ جاری کیا جس میں انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کو از روئے شریعت ممنوع کہا اور اسے غدر و بغاوت اور فساد سے تعبیر کیا اور حکومت کے خلاف بر سرِپیکار مجاہدین کو باغی و مُفسد کہہ کر انہیں مستحقِ سزا قرار دیا۔ مولوی محمد حسین کی طرف سے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کی مخالفت کا ایک سبب یہ بتایا گیا کہ جہاد کی مشروعیت اور اجازت کے لیے جو شرائط شریعت اسلامی نے مقرر کی ہیں وہ اس ملک میں یکسر ناپید تھیں۔ مولوی محمد حسین نے اپنے فتوے میں انگریزی حکومت پر جہاد کی فرضیت کے نظریے کو سختی سے ردّ کرتے ہوئے، اس (جہاد) کی اتنی کڑی شرائط بیان کیں کہ جن کے فقدان کے سبب جہاد عملاً منسوخ و معطل قرار پایا۔ مولوی محمد حسین نے اس مسئلے اور سوال کہ ”آیا بہ مقابلہ گورنمنٹ ہند مسلمانانِ ہند کو جہاد کرنا اور اپنی مذہبی تقلید میں ہتھیار اٹھانا چاہیے یا نہیں؟“(۱۳۱) کا یہ جواب دیا:

> جہاد اور جنگ مذہبی مقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا بہ مقابلہ اس حاکم کے جس نے آزادی مذہبی دے رکھی ہو از روئے شریعتِ اسلام عموماً خلاف و ممنوع ہے اور وہ لوگ جو بہ مقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا کسی اُس بادشاہ کے جس نے آزادی مذہب دی ہے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں، کُل ایسے لوگ باغی ہیں اور مستحقِ سزا کے مثل باغیوں کے شمار ہوتے ہیں۔ (۱۳۲)

مولوی محمد حسین نے اس فتوے کو پنجاب اور اطراف ہند کے علما کے پاس بھیجنے کے علاوہ اس کو اچھی طرح مشہور کیا اور بعض علما سے اس بات کی تصدیق و توثیق کرالی (اقرار مہری اور دستخطی کرالیا) کہ ”عموماً مسلمانانِ ہند کو ہتھیار اٹھانا اور جہاد بہ مقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند کرنا خلاف مسئلہ سنت و ایمان موحدین [گروہ اہل

۱۳۰- نفس مصدر، ج۳، ص ۲۸۴

۱۳۱- نفس مصدر، ج۳، ص ۲۸۴

۱۳۲- نواب سید محمد صدیق حسن خان، **ترجمانِ وھابیہ**، لاہور، مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ، ص ۶۱

حدیث] ہے۔ ان علمانے تسلیم کیا کہ بہ مقابلہ گورنمنٹ ہند فرقہ موحدین [گروہ اہل حدیث] کو ہتھیار اٹھانا خلاف ایمان و اسلام ہے"(۱۳۳)۔ مولوی محمد حسین نے برطانوی حکومت ہند کے خلاف جہاد کی مخالفت و ممانعت میں صرف فتویٰ جاری کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سر ہنری ڈیویس سے استدعا کی کہ کسی مسلمان عالم کو ایلچی بنا کر ہزارہ اور آزاد علاقے میں سرگرم عمل مجاہدین کے پاس بھیجا جائے۔ "جو مع اس فتویٰ کے جا کر ان ناسمجھوں کو مطلع کرے کہ جہاد بہ مقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند کے ممنوع ہے، نیز ان کو آگاہ کر دے کہ خون ریزی، قتال و جہاد پر سخت گناہ ثابت ہے اور ازرُوئے شریعتِ اسلام برٹش گورنمنٹ ہند سے جہاد کرنا خلافِ طریقہ اسلام اور شریعت حقہ کے ہے۔ اس لیے ان کو خیر خواہی و وفاداری گورنمنٹ ہند میں برابر مستعد رہنا چاہیے"(۱۳۴)۔

مولوی محمد حسین نے برطانوی حکومت ہند کے مقابلہ میں جہاد کی حُرمت و ممانعت میں **الاقتصاد فی مسائل الجهاد** کے عنوان سے ایک رسالہ بھی تحریر کر کے شائع کیا (۱۸۷۶ء)۔ یہ رسالہ دراصل ان کے مذکور فتوے کی شرح و تفسیر ہے۔(۱۳۵) اس رسالے میں انہوں نے آیاتِ قرآن حکیم، احادیثِ مبارکہ اور محدّثین و فقہا اور متکلمین کے اقوال و آرا سے استدلال کرتے ہوئے ہندوستان کو دارالاسلام اور دارالامان ثابت کیا ہے، برطانوی حکومتِ ہند کے خلاف جہاد کو ممنوع و ناجائز بتایا ہے بلکہ اسے غدر اور فساد سے تعبیر کیا ہے، مسلمانوں کی حیثیت انگریزی اقتدار کے تحت، معاہد کی بتائی ہے۔ مزید برآں اس رسالے میں شرعی جہاد کی ایسی کڑی شرائط بیان کیں کہ جن کے مفقود ہونے کی بنا پر خود مولانا نے ہندوستان میں شرعی جہاد کو ناممکن و محال اور منسوخ و معطل قرار دے دیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس رسالے میں جن مسائل پر بحث کی ہے، ان کے نتائج و حاصلات خود انہی کی زبانی ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۳۳- نفس مصدر، ص ۶۱

۱۳۴- نفس مصدر، ص ۶۱-۶۲۔ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے محمد حسین کی اس استدعا پر ان کا شکریہ خیر خواہی ادا کیا، لیکن کسی مصلحت سے کسی مسلمان عالم کو ایلچی بنا کر ہزارہ اور آزاد علاقے کی طرف روانہ کرنا پسند نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: حوالۂ مذکورہ، ص ۶۲

۱۳۵- **رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد** اصلاً فارسی زبان میں تحریر کیا گیا تھا، جس کا اردو ترجمہ پہلی بار مولوی محمد حسین بٹالوی کی زیر ادارت نکلنے والے رسالہ **اشاعۃ السنۃ** (ج ۲، عدد ۱۱) میں شائع ہوا (۱۸۷۶ء)۔ بعد میں الگ سے ایک رسالے کی صورت میں وکٹوریہ پریس لاہور سے اس کی اشاعت ہوئی۔ مصنف نے انگریزی حکومت سے اپنی خیر خواہی اور وفاداری کے اظہار کے طور پر اپنے اس رسالے کا انتساب پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن کے نام ان سے پیشگی منظوری لے کر کیا۔

۱- جس شہر میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو، اقوامِ غیر نے اُس پر تغلّب سے تسلّط پالیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اُس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی رہے وہ بحکمِ حالتِ قدیم، دارالاسلام کہلاتا ہے... اس شہر یا ملک پر چڑھائی کرنا اور اس کو جہاد مذہبی سمجھنا جائز نہیں[۱۳۶]۔۔۔۔۔ اس مسئلے اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجود ے کہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے دارالاسلام ہے اس پر کسی [مسلمان] بادشاہ کو خواہ عجم کا مہدیِ سوڈان ہو یا خود حضرت سلطان شاہ ایران ہو، خواہ امیر خراسان، مذہبی لڑائی وچڑھائی کرنا جائز نہیں ہے۔[۱۳۷]

۲- کافر (ظالم اور مذہب مسلمانوں میں مزاحم لائق جہاد ہی کیوں نہ ہوں) جب مسلمانوں کے شہروں اور ملک پر تغلّب سے تسلّط پالیتے ہیں تو ان شہروں کے مالک و متصرّف ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ جب کسی کافر کے ملک یا شہر میں کوئی مسلمان امن جتا کر رہے تو وہ اسی عہد والے کی مانند ہو جاتا ہے جس نے صریح عہد دیا ہو۔ اس کو اس کافر سے غدر کرنا اور اس کے جان ومال سے تعرّض کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ صریح عہد والوں کی جان ومال سے تصرف حرام ہے[۱۳۸]۔۔۔۔۔ مسلمان جو ہندوستان میں اقامت گزین ہیں ان کا برٹش گورنمنٹ سے دوستی وترک مقابلہ ولڑائی کا عہد ہو چکا ہے[۱۳۹]۔۔۔۔۔ مسلمانانِ ہند کا، جب تک وہ اپنے عہدوں پر قائم رہیں اور اس گورنمنٹ کے ماتحت رہیں، اس گورنمنٹ سے لڑنا یا اُس سے لڑنے والوں کی (ان کے بھائی مسلمان کیوں نہ ہوں) کسی نوع سے مدد کرنا صریح غدر اور حرام ہے۔[۱۴۰]

۳- عہدِ امن والوں سے لڑنا ہر گز جہادِ شرعی نہیں ہو سکتا بلکہ عناد وفساد کہلاتا ہے، مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گنہگار اور بہ حکم قرآن و حدیث مُفسد و باغی بدکردار تھے۔ اکثر اُن میں عوام کالانعام تھے، بعض جو خواص و علما کہلاتے تھے وہ بھی اصل علومِ دین سے بے بہرہ تھے یا نافہم وبے سمجھ۔ باخبر و

۱۳۶- محمد حسین بٹالوی، **الاقتصاد فی مسائل الجہاد**، لاہور، وکٹوریہ پریس، س۔ن، ص ۱۹

۱۳۷- نفس مصدر، ص ۲۵

۱۳۸- نفس مصدر ص ۳۳-۳۴

۱۳۹- نفس مصدر، ص ۴۷

۱۴۰- بٹالوی، مصدر سابق، ص ۴۹

سمجھ دار علما اس میں ہر گز شریک نہ ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر، جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لیے مفسد لیے پھرتے تھے، انہوں نے خوشی سے دستخط کیے۔ (۱۴۱)

۴- کافر مسلمانوں کے مذہب میں مُزاحم بھی ہوں اور اُن کا ملک دارالحرب بھی ہو، اور اُن سے کسی مسلمان رئیس یا رعایا کی دوستی و عہد بھی نہ ہو اور اُن کے ملک و امان میں بھی رہتے نہ ہوں، تو ان شرطوں اور صورتوں میں بھی اُن پر جہاد تب ہی واجب و جائز ہے کہ: مسلمانوں میں ایسی جمعیت حاصل جماعت موجود ہو جس میں اُن کو کسرِ شوکتِ اسلام کا خوف نہ ہو، فتح و غلبہ کا ظن غالب ہو (۱۴۲) ـــــ ان ہی شرطوں اور صورتوں میں ایک بڑی بھاری شرط جہاد کی یہ ہے کہ مسلمانوں میں [جامع الصّفات] امام و خلیفۂ وقت موجود ہو (۱۴۳) ـــــ ایسے امام و خلیفہ کو جن جن شرائط و اوصاف کا [حامل] ہونا ضروری ہے وہ ایک مدت سے یک قلم مفقود ہیں۔ ایسا امام آج کل ایک مدت سے روے زمین سے مفقود ہے اور آئندہ بھی بہ نظر ظاہر اسباب و حالات اس کا موجود ہونا مشکل نظر آتا ہے (۱۴۴) ـــــ شرعی جہاد تب ہی سے مفقود ہے جب سے شرعی امامت و خلافت دنیا سے مفقود ہوئی ہے۔ ـــــ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے، کیوں کہ اس وقت نہ کوئی مسلمانوں کا امام موصوف بہ صفات و شرائط امامت موجود ہے اور نہ اُن کو ایسی شوکت و جمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی امید کر سکیں۔ (۱۴۵)

۵- جو بعض ناواقف مسلمان بلاجمعیت و سامان سوپچاس بلکہ دس بیس مل کر اپنے سے دو چند مخالفینِ مذہب پر حملہ کرتے ہیں اور اپنی کمی اور بے سامانی کے سبب شکست کھا کر پسپا ہوتے ہیں اور بعض اس میں مارے جاتے ہیں ان کا یہ فعل جہاد نہیں سراسر فساد ہے (۱۴۶) ـــــ بعض سرحدی نادان ناواقف از احکامِ اسلام و قرآن تن تنہا ایک سیر آٹا یا ستو باندھ کر غازی یا شہید ہونے کی نیت سے چل پڑتے ہیں اور کسی کیمپ یا چھاؤنی انگریزی میں پہنچ کر کسی افسر یا فوجی ملازم کو مار ڈالتے ہیں، پھر اس کی سزا میں پھانسی پاتے ہیں؛ یہ اور بھی فساد و بغاوت

۱۴۱- نفس مصدر

۱۴۲- نفس مصدر، ص ۴۹

۱۴۳- نفس مصدر، ص ۵۱

۱۴۴- نفس مصدر، ص ۵۳

۱۴۵- نفس مصدر، ص ۶۸

۱۴۶- بٹالوی، مصدر سابق، ص ۷۱

اور عناد ہے۔ ایسی صورتوں میں اپنی جان کو ہلاک کرنا حرام موت مرنا ہے اور بہشت کی خوشیوں سے محروم رہنا اور ایسے فسادوں کو جہاد سمجھنا اور اس میں شہادت کی ہوس کرنا سراسر جہالت و حماقت ہے۔[۱۴۷]

۶- مسلمانوں کی موجودہ حالت کہ اُن میں نہ کوئی امام ہے اور نہ جمعیت و سامان جہاد اُن کو حاصل و میسر ہے، بالکل قابلِ اطمینان ہے۔ علی الخصوص حالت مسلمانانِ ہند (جن کو موجودہ سلطنت کے ظلِّ حمایت میں مذہبی آزادی پوری حاصل ہے) اور بھی طمانیت بخش ہے۔ اس حالت پر مسلمانوں کو اپنے دین کے نقصان یا گناہ کا خوف نہ کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ یہ خوف اس وقت بجا تھا جب جہاد، اسلام کا اصلی فرض ہوتا اور تقرر امام کے سوا مسلمانوں کا اسلام صحیح یا کامل نہ ہوتا۔[۱۴۸]

مولوی محمد حسین لاہوری نے اس رسالے میں جو مولانا مسعود عالم ندوی کے الفاظ میں ''تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ ہے''[۱۴۹]، جن خیالات و آرا کا اظہار کیا ہے اُن سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ سر سید احمد خان کی طرح یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان انگریزی حکومت کی مخالفت و مزاحمت اور اُس کے خلاف مسلح جہاد کا راستہ ترک کر کے اُس کی اطاعت اختیار کر لیں اور اس حکومت کے تحت اُن کو نماز، روزے، تلاوتِ قرآن حکیم اور ذکر واذکار کی جو اجازت حاصل ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جائیں۔ مزید بر آں جہاد کے شرعی فرض ہونے کے احساس سے خود کو آزاد کرا لیں۔[۱۵۰] مولوی محمد حسین لاہوری کے اس رسالے کی اشاعت کو برطانوی حکومت ہند نے بڑی قدر اور تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے انہیں، ان کی ان خدماتِ جلیلہ کے اعتراف میں، جاگیر بھی عطا کی گئی[۱۵۱] اور شمس العلما کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔

نواب سیّد محمد صدیق حسن خان کا فتویٰ

نواب سید محمد صدیق حسن خان (۱۲۴۸ـ۱۳۰۷ھ / ۱۸۳۲ـ۱۸۹۰ء) نے بھی، جن پر ان کے مخالفین نے ''ترغیبِ جہاد اور گورنمنٹ کی مخالفت'' کا الزام لگایا نیز انہیں ''مصدرِ بغاوت و جہاد و شرور و فتن'' ثابت کرنے

۱۴۷- نفس مصدر

۱۴۸- نفس مصدر، ص ۴۳

۱۴۹- مسعود عالم ندوی، ص ۷۲، حاشیہ ۱

۱۵۰- مولوی محمد حسین لاہوری کے نظریۂ جہاد کے جائزے کے لیے ملاحظہ ہو:
Bashir Ahmad Khan, op.cit.,114-116

۱۵۱- **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک**، ص ۷۲۔

کی کوشش کی تھی، مسئلہ دارالحرب اور مسئلہ جہاد کو خاص طور سے غور و فکر اور تصنیف و تالیف کا موضوع بنایا۔ انہوں نے جہاد کی مخالفت و ممانعت میں محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ کے شائع کردہ مجموعۂ فتاویٰ کی مکرر اشاعت کا خاص اہتمام کیا(۱۵۲) اور اپنی مختلف کتابوں میں "مسئلہ جہاد اور زمانۂ غدر ہندوستان کی نسبت" شرح و بسط سے اظہارِ خیال کیا۔(۱۵۳) انہوں نے اپنی تحریروں میں "گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ پابندیٔ شرعِ شریف، ایفائے عہد و وفاداری پر ثابت قدمی اختیار کرنے پر زور دیا"۔(۱۵۴) سید محمد صدیق حسن خان نے صریح طور پر بہ مطابق مذہبِ حنفیہ، ہندوستان کو دارالاسلام لکھا اور فقدانِ شرائط جہاد کی بنا پر برطانوی حکومت کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کو ناجائز قرار دیا۔(۱۵۵) مسئلۂ جہاد اور اُس کی اہم شرائط اور جواز و عدم جواز کے متعلق انہوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ "قرآن کریم جہاد کرنے کی صرف اسی حالت میں اجازت دیتا ہے، جب کہ عبادات و شعائر اسلام کے ادا کرنے سے کوئی شخص یا قوم ظلم و تعدّی کے ساتھ مزاحم ہو، مسلمانوں کو محض مخالفت مذہبی کی وجہ سے ستائے، اُن کی مذہبی آزادی میں دست اندازی کرے۔

اسلام اُن ملکوں پر بھی حملہ آور ہونے اور وہاں کے باشندوں سے لڑنے کو منع کرتا ہے جہاں کفار کی حکومت ہو یا کثرت سے کفار آباد ہوں، لیکن مسلمانوں کو تعمیر مساجد و ادائے شعائر اسلام اور اذان و اقامت سے روکا نہ جائے اور احکامِ شرع بجالانے میں کامل آزادی رہے۔۔۔۔۔ جہاد شرعی اُس وقت جائز ہو سکتا ہے جب کہ مسلمان غیر مسلمانوں کی رعایا نہ ہوں اور امن و امان کے ساتھ نہ رہ پاتے ہوں، اُن کے بال بچے اور مال و اسباب غیر مسلموں کی حفاظت میں نہ ہوں اور کسی قسم کا اُن میں عہد و پیمان نہ ہو، اور اپنی طاقت پر فتح یابی کا پورا بھروسہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں یہ اُمور و شرائط مفقود ہیں"۔(۱۵۶)

نواب صدیق حسن خان نے یہ بات بہ تکرار زور دے کر کہی کہ "نہ تو ہندوستان میں مسلمانوں پر سرکار سے جہاد کرنا مذہب اسلام میں حالت موجودہ پر بالخصوص فرض ہے اور نہ ہی اس وقت شرائط جہاد موجود

۱۵۲- سید علی حسن خان، **مآثر صدیقی**، لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور، ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء، حصہ سوم، ص۱۲۹-۱۳۰

۱۵۳- صدیق حسن خان، **ترجمان وھابیہ**، ص۴۸

۱۵۴- نفس مصدر، ص۴۹؛ علی حسن، مرجع سابق، **مآثر صدیقی**، ص۱۳۱

۱۵۵- سید علی حسن خان، نفس مصدر، حصہ سوم، ص۱۳۱

۱۵۶- صدیق حسن، **ترجمان وھابیہ**، ص۴۹-۵۰

ہیں"۔ [۱۵۷] سید صدیق حسن خان نے ہندوستان میں مسئلۂ جہاد کے جواز و عدم جواز اور اس کی شرائط کے بارے اپنی مختلف تحریروں میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا ماحصل، خود نواب صاحب ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

زمانہ غدر [جنگ آزادی ۱۸۵۷ء] میں جو لوگ سرکار انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی، وہ جہاد نہ تھا فساد تھا۔۔۔۔ یہ بغاوت جو ہندوستان میں بہ زمانۂ غدر رہوئی اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو اصل دینِ اسلام سے آگاہ نہیں ہیں اور ملک میں فساد ڈالنا اور امن کو اٹھانا چاہتے ہیں۔ جب تک کوئی شخص متصف بہ صفاتِ امام شرعی نہ ہو اور سب منتظمان و عقلاے ملک کا اُس پر اتفاق نہ ہو، اور وہ خاص قریشی ہو دوسری ذات کا آدمی نہ ہو اور سب اُس کو قبول کریں اور اُس کی اطاعت اپنے حق میں فرض جانیں، اور سب شرائطِ دعوتِ اسلام اور جزیہ و جہاد کے موجود ہوں اُس وقت جہاد ہو سکتا ہے۔ سواِن صفات کا امام سیکڑوں برس سے دنیا میں مفقود ہے اور وہ شرائط بالکل معدوم ہیں۔ [۱۵۸]

نواب سید صدیق حسن خان کے ان مذکورہ بالا خیالات و آرا سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے برطانوی اقتدار کے تحت ہندوستان کی قانونی و شرعی حیثیت اور مسئلۂ جہاد کے بارے میں اپنے پیش رو مولانا کرامت علی جون پوری، مولانا سید نذیر حسین دہلوی اور ہم عصر علما خصوصاً مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی کی آرا کو پوری طرح سے قبول کیا ہے۔

فتاویٰ کے اثرات و نتائج

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزی حکومت کی لرزہ خیز اور وحشت ناک مُنتقمانہ کارروائیوں نے مسلمانوں پر دہشت و خوف کی جو کیفیت طاری کی تھی اس میں جہاد کی حرمت و ممانعت میں علما کے فتاویٰ نے عام مسلمانوں، جو علما کے زیر اثر تھے اور تحریک جہاد و جنگ آزادی میں پیش پیش رہے تھے، کے طرزِ فکر و عمل کو گہرے طور سے متأثر کیا۔ سر سید احمد خان کے خیالات و آرا نے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں انگریزی حکومت کی خیر خواہی و وفاداری اور اس کی فدویانہ اطاعت شعاری و فرمان برداری کی خُوبُو پیدا کی، جب کہ علما کے فتاویٰ نے مذہبی رجحان و میلان رکھنے والے عام مسلمانوں کو متأثر کیا۔ ان فتاویٰ نے جہاد کو ناجائز و حرام، جنگ آزادی کو غدر اور فساد جب کہ مجاہدین کو باغی و مفسدین اور بدکردار گناہ گار قرار دے کر عام مسلمانوں کے حوصلوں کو پست اور ان کے جذبۂ جہاد و حریت کو سرد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان فتاویٰ نے حکومت کی خیر خواہی و وفاداری اور اس

۱۵۷- نفس مصدر، ص ۵۰

۱۵۸- ملاحظہ ہو: نفس مصدر، ص ۵۴۔ مزید دیکھیے: نواب سید محمد صدیق حسن خان، **موائد العواید من عُیون الأخبار والفوائد** (بھوپال، ۱۸۸۲ء)، ص ۳۴-۳۵؛ علی حسن، مرجعِ سابق، حصہ سوم، ۱۳۷-۱۴۰

کی اطاعت کو شرعاً واجب ثابت کر کے عام مسلمانوں کو غیر مسلم حکومت کی غلامی پر قانع و مطمئن رہنے پر آمادہ کیا اور انہیں جہاد و قربانی کے بجائے عافیت کوشی و مصلحت پسندی کا راستہ دکھایا۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی (ممتاز اہلِ حدیث عالم) نے جہاد کی مخالفت و ممانعت سے متعلق سرسید احمد خاں کے آرا و خیالات اور علما کے فتاویٰ کے اثرات و نتائج کا جائزہ انتہائی مختصر مگر جامع و بلیغ انداز میں یوں پیش کیا ہے کہ "سرسید کی مصلحت اندیشیوں اور مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم کی سوءِ تدبیر سے کسی قدر ظاہری آرام تو ملا مگر روحِ حُرّیت موت کی آغوش میں جا بسی۔"(۱۵۹)

❁❁❁❁❁❁

۱۵۹- محمد اسماعیل، **تقدمہ**، مشمولہ ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، **امام شوکانیؒ**، تاندلے والا، **فیصل** آباد، مکتبہ عتیقیہ، س۔ن، ص ۴